ہفت روزہ

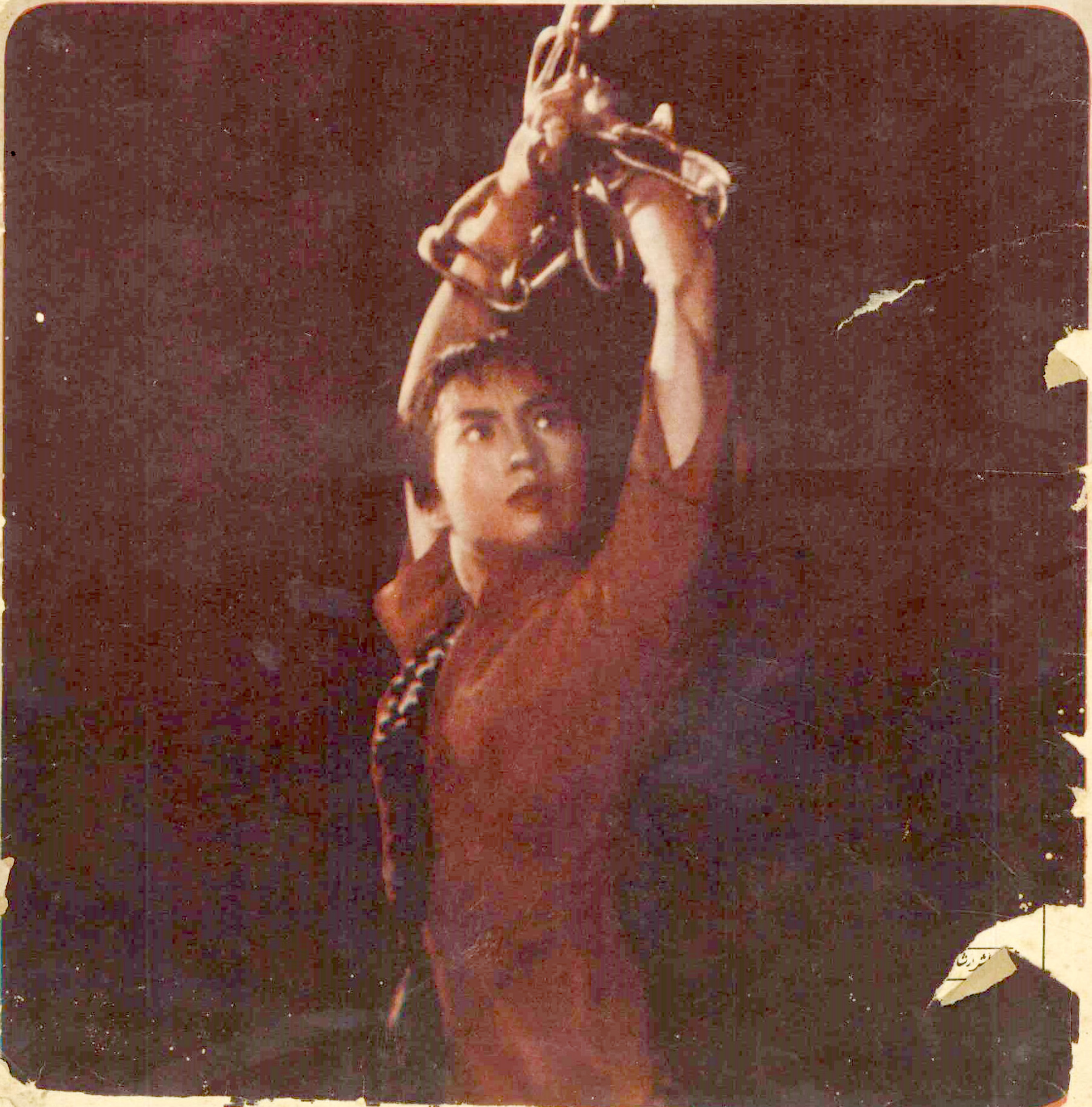
الفتح

کراچی

ظُلم کے
دِن پُورے ہو گئے

شہرۂ آفاق ڈرامہ "سنگھاتی کی عورتیں" صفحہ ۱۴ پر ملاحظہ فرمائیں

۶—۱۳ مئی ۱۹۷۱ء   قیمت :— ۵۰ پیسے   ہوائی ڈاک سے :— ۶۰ پیسے



کشور ناہید

حصارِ زر

خراجِ زخم، ہر اک رنجِ مختصر لے گا
حباب بھی قدمے، مہلتِ سفر لے گا

یہ دَور وہ ہے کہ کُھل جائے گا فرازِ ستم
ہر ایک نالۂ نامعتبر، اثر لے گا

ہوائے دشت اڑائے گی اُڑتے جاؤ گے
یہ انتقام تمھیں سے حصارِ زر، لے گا

ہزار دستکِ آشوب، اَن سُنی کر لو
زمانہ تم سے مگر قیمتِ مفر، لے گا

وفورِ شوق تو تاب و تواں سے بڑھ کے ہے
محال ہے کہ کوئی ہاتھ میں سپر لے گا

تعلقات ہیں ایسے رمیدہ خو اب تو
میں اس کی اور وہ میری کہاں خبر لے گا

سیہ شب میں نگینے چمکتے رہتے ہیں
یہی سند ہے کہ حق رفعتِ دگر لے گا

یہ نا امیدئ احساس، کفر ہے ناہید
جو ہم سے ہو نہ سکا، وہ کوئی تو کر لے گا

الفتح

خدائی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ

الفتح

کراچی

جلد : — ۱ شمارہ : — ۵۱

۶-۱۳ مئی ۱۹۷۱ء

نگران

شوکت صدیقی — محمود شام

مدیر

ارشاد راؤ

معاونین خصوصی

ابراہیم جلیس — منہاج برنا

افضل صدیقی — ایم کے جنجوعہ

نائب مدیران

اشرف شاد — وہاب صدیقی

آرٹ ایڈیٹر :— غلام نبی بزمی

بدلِ اشتراک	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے :—	۶۰ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت — ۶۰ فلس

دوبئی، قطر — ۷۵ درہم

سعودی عرب — ۱۵ قرش

انگلستان — ۲ شلنگ، ۶ پنس

مقام اشاعت

دفتر ہفت روزہ الفتح، ۸۷ ڈی نرسری کمرشل ایریا

پی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ ایس۔ کراچی — ۲۹

ایڈیٹر پبلشر ارشاد راؤ۔ مطبع حقی آفسٹ پریس، لیاقت آباد، کراچی

اداریہ

اپنی اوقات پہچانو

عام انتخابات سے بہت پہلے وطنِ عزیز میں سامراجی طاقتوں کی سرگرمیوں میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا تھا۔ سامراجی مشرقی پاکستان میں مجیب کی وجہ سے مطمئن تھے لیکن مغربی پاکستان سے خوفزدہ تھے کہ اس خطے میں عوام کے دلوں میں سامراج کے خلاف نفرت بدرجہ اتم پیدا ہوچکی تھی۔ طبقاتی شعور جنم لے چکا تھا، مسٹر بھٹو عوام کی توجہ کا مرکز بن رہے تھے، اور پیپلز پارٹی کا سوشلسٹ اقتصادی منشور روز افزوں مقبولیت حاصل کررہا تھا یہ صورت سامراجیوں اور اُن کے دلالوں کے لئے کافی پریشان کن ثابت ہوئی۔

اس کا توڑ کرنے کے لئے ایک منصوبہ بنایا گیا۔ اس کے تحت بائیں بازو کی سوچ رکھنے والے عامل صحافیوں پر پہلا وار کیا گیا۔ پاکستان پہلا ملک تھا جس میں صحافیوں کے معاشی قتل عام کا بین الاقوامی ریکارڈ قائم کیا گیا۔ صحافیوں کی افریشیائی تنظیم نے احتجاج کیا لیکن کسی کے کان پر جُوں تک نہ رینگی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مالکانِ اخبارات کو اس وقت کے وزیرِ اطلاعات کی مکمل حمایت حاصل تھی اور وہی ڈور ہلا رہے تھے۔

سامراجیوں کا پہلا نشانہ ضرورت سے زیادہ کامیاب رہا۔ ان کے حوصلے اور بلند ہوگئے۔ تمام اخبارات جماعتِ اسلامی کے ترجمان بن گئے۔ بھٹو کے خلاف پراپیگنڈہ مہم کا عالم یہ تھا کہ پیپلز پارٹی کو جماعتیوں، معروف صنعتکار مولویوں اور وظیفہ خوار کٹھ ملاؤں نے فتاوے کے ذریعے کفار کی صف میں شامل کردیا۔ اس مہم میں اخبارات کے مالکان اور نیشنل پریس ٹرسٹ کی نوکر شاہی صحافت میں خوب مقابلہ ہوا۔ آقاؤں سے وفاداری میں انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ اس کی تفصیل میں جانے کا ابھی وقت نہیں۔ مختصر یہ کہ رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لئے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کئے گئے۔ دوسرا وار مزدوروں پر کیا گیا۔ بھاری پیمانے پر چھانٹی کی گئی۔ عوام دوست ٹریڈ یونینوں کے رہنماؤں کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا گیا اور مختلف حربوں کے ذریعے ٹریڈ یونینوں پر پسندوں کو مسلط کردیا گیا۔ مزارعین بھی اُن کی زد سے نہ بچ سکے تعلیمی اداروں میں غنڈہ گردی کے بھرپور مظاہرے کئے گئے۔

ان تمام کارروائیوں کا مقصد یہ تھا کہ جماعتِ اسلامی اور اس کی لُٹل بچہ تنظیموں کو عوام کے سامنے ہیرو کے طور پر پیش کیا جائے۔ انتخابات ہوں تو اس مقبولیت کی روشنی میں تمام ووٹ جماعتِ کے امیدواروں کو ملیں۔

انتخابات سے پہلے صحافیوں، مزدوروں، کسانوں اور طلبہ پر مظالم ہوئے لیکن ظالم یہ بھول گئے کہ نظام کو تبدیل کرنے والے روزگار کی پرواہ نہیں۔ قربانی دینے والا نفع نقصان کے گورکھ دھندے میں نہیں پڑتا۔ اس کا تو یہ مشن ہے۔ انتخابات نے یہ ثابت کردیا کہ ان کا منصوبہ کس بُری طرح ناکام ہُوا۔ اُنھیں کیسی مُنہ کی کھانی پڑی۔

اس محاذ پر مات کھانے کے بعد یہ ملک دشمن ٹولہ مجیب کے ساتھ مل گیا۔ یہ اُن کا قصور نہیں تھا بلکہ آقاؤں کا اشارہ تھا۔ عوام نے اُنھیں اس محاذ پر بھی چت کردیا۔ اس پر اُن کے حواس چند دِنوں کے لئے خطا ہوگئے۔ سامراجیوں کے اوسان بھی غائب ہوئے لیکن بیہوشی زیادہ دیر نہیں رہی۔ دوسرا منصوبہ بن گیا۔ آج کل اس پر عمل ہو رہا ہے۔ ایک بار پھر یہ قوم دشمن ننگے ہو رہے ہیں۔ پیپلز پارٹی کو ہدف تنقید ہی نہیں بلکہ اشتعال دلا رہے ہیں۔

ان کے اخبارات اپنی طاقت کی دھونس جمانے میں مصروف ہیں۔ انہوں

باقی صفحہ ۴۴ پر ملاحظہ فرمائیں

ایک خبر ایک کہانی

ہانگ کانگ ۲۰ اپریل (رائٹر) شاہ ایران کی ہمشیرہ شہزادی اشرف پہلوی چین کے خیر سگالی اور دوستانہ دورے کے اختتام پر آج کینٹن سے وطن واپس روانہ ہوگئیں۔ چین میں قیام کے دوران شہزادی اشرف نے وزیر اعظم چواین لائی اور دوسرے چینی رہنماؤں سے ملاقاتیں کی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ چین کے ایران کے ساتھ سفارتی تعلقات نہیں ہیں اور شہزادی اشرف کا دورہ چین اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

شہزادی اشرف
شہزادی فاطمہ
کا خیر مقدم


شہزادی فاطمہ پہلوی


چو-این-لائی


شہزادی اشرف پہلوی

شاہراہِ ریشم کے کرشموں کا آغاز ہو چکا ہے

وقائع نویس

ثقافتی انقلاب کے بعد جب سے عوامی جمہوریہ چین نے سفارتی سرگرمیاں تیز کی ہیں کامیابی متواتر اس کے قدموں پر نچھاور ہو رہی ہے۔ ۱۹۷۰ء میں کناڈا اور کئی دوسرے ممالک نے عوامی جمہوریہ چین کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ نومبر ۱۹۷۰ء میں چین اور سوویت یونین کے درمیان ایک تجارتی معاہدہ ہوا۔ جولائی ۱۹۶۰ء کے بعد دونوں ملکوں کے درمیان یہ پہلا تجارتی معاہدہ تھا۔ چین کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو دیکھ کر امریکی سامراج بھی اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ادھر ایران اور ترکی بھی چین سے تعلقات استوار کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

گذشتہ ماہ شاہِ ایران کی ہمشیرہ شہزادی اشرف پہلوی نے چین کا دوستانہ دورہ کیا۔ ان کے دورے کے اختتام کے فوراً بعد شہزادی فاطمہ پہلوی چین کے خیر سگالی کے دورے پر روانہ ہوگئیں۔ اگرچہ شہزادی اشرف پہلوی کا دورہ خیر سگالی تھا۔ لیکن سیاسی مبصرین اسے اہمیت دے رہے ہیں۔ کیونکہ چینی وزیر اعظم چو این لائی کو ایران کے دوستانہ اور خیر سگالی کے دورے کی دعوت دی گئی جسے انہوں نے قبول کر لیا۔

پیکنگ میں ۱۹ اپریل کو شہزادی اشرف پہلوی کے اعزاز میں دیئے گئے عشائیہ میں تقریر کرتے ہوئے جناب چو این لائی نے کہا "چین اور ایران کے درمیان دو ہزار سال پرانے روابط ہیں جبکہ شاہراہ ریشم کے راستے قافلے چین سے ایران جاتے تھے۔ لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد سامراجیوں کی رکاوٹوں اور تخریبی کارروائیوں کے نتیجہ میں یہ روابط قائم نہ رہ سکے۔ چین اور ایران کے درمیان بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اس لئے ہمیں یقین ہے کہ دونوں ملکوں کے مابین تعلقات کی ترقی کے امکانات روشن ہیں۔ ہمیں توقع ہے کہ شہزادی اشرف پہلوی کے دورہ سے ہمارے دونوں ملکوں کے عوام کے درمیان دوستی بڑھے گی۔ اور دونوں ملکوں کے دوستانہ تعلقات کو فروغ حاصل ہوگا۔"

اس کے جواب میں شہزادی اشرف پہلوی نے کہا "میں غیر سرکاری حیثیت سے چین کے دورے پر آئی ہوں۔ اس لئے میرے خیالات کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ لیکن میں اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں کہ میرے بھائی شاہ ایران، ایران اور مختلف الخیال دنیا میں ہمیشہ بقائے باہمی اور باہمی احترام کے اصولوں پہ تعاون اور دوطرفہ تعلقات کے حامی ہیں۔"

شہزادی اشرف پہلوی کا یہ دورہ ایران چین تعلقات میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایران، جمہوریہ چین کو تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن شہزادی اشرف پہلوی کے بعد شہزادی فاطمہ پہلوی کا دورہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ایران عوامی جمہوریہ چین کو تسلیم اور اس سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کا زبردست خواہشمند ہے۔

ایران ابھی تک تائیوان کو تسلیم کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سامراج کی خارجہ پالیسی کے بانی اور مفکر جان فاسٹر ڈلس نے اپنی کتاب "جنگ یا امن" میں عوامی جمہوریہ چین کو سوویت یونین کا زیر اثر قرار دیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ یہ روس کے نقشِ قدم پہ چلے گا۔ ایران اور روس میں ہمیشہ اختلافات رہے ہیں آذربیجان کا علاقہ دونوں کے جھگڑے کا سبب رہا ہے۔ چنانچہ ایران نے فاسٹر ڈلس کی تحریر کو آفاقی اور حقیقت پر مبنی سمجھتے ہوئے سوشلسٹ چین سے تعلقات استوار کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ وہ عوامی جمہوریہ چین کو نئے زاروں کا ہم نوا اور پیروکار سمجھتا رہا۔ لیکن چین کے عمل نے ثابت کیا کہ وہ سوویت یونین کے نئے زاروں کا ہمنوا نہیں۔ چین کو روس کے فریم میں نہیں بلکہ چین کے فریم میں ہی دیکھیے۔

سوشلسٹ چین سے تعلقات استوار کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس نے امریکی سامراج اور سوشل سامراجیوں پہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ نہ صرف زندہ رہ سکتا ہے بلکہ اسے پابند کرنے کی ہر کوشش ناکام رہے گی۔ سوشلسٹ چین پہ اپنا پرچم لہرانے کا خواب جو امریکی سامراج سے ناپاک گٹھ جوڑ کرکے چیانگ کائی شیک ایک مدت سے دیکھ رہا تھا۔ اب منتشر ہو گیا ہے۔ تائیوان کے مسئلہ کو صرف امریکی سامراج اور چیانگ کائی شیک ہی زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ چیانگ کائی شیک کی موت کے بعد فارموسا کا مردہ بھی دفن ہو جائے گا۔ اس لئے دنیا کے ممالک سوشلسٹ چین کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ ایران بھی ان میں سے ایک ہے۔

عوامی جمہوریہ چین کو تسلیم کرنے سے جہاں ایران کو تجارتی فوائد حاصل ہوں گے وہاں ایران کے عوام سامراج کے خلاف اپنی جدوجہد کو مزید تیز کر سکیں گے۔

بقیہ: اداریہ

نے تمام ضابطے اور پابندیوں کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ ایک بدمست ہاتھی کی طرح افراتفری مچانے کی فکر میں ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ وہ اپنے دستخطی اداریوں میں ملک میں خانہ جنگی کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔

شرم کا مقام ہے۔ کیا پدی کیا پدی کا شوربہ، ملک نازک صورتِ حال سے دوچار ہے لیکن سامراجی پٹھو سازشوں سے باز نہیں آ رہے۔ انھیں گریبان میں منہ ڈالنا چاہیئے۔ طاقت کا اندازہ ہو جائیگا۔ پتہ چل جائے گا کہ عوام کس کے ساتھ ہیں۔

انھیں بھولنا نہیں چاہیئے کہ عوام انھیں مسترد کر چکے ہیں۔ انھیں عوام کو بے وقوف سمجھنے کی روش تبدیل کرنا پڑے گی ورنہ خانہ جنگی کا نقشہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُتر جائے گا۔ عوام کی طاقت ہی سب سے بڑی طاقت ہے، یہ طاقت اُن کے ساتھ نہیں۔ غنڈے اور سامراجیوں کی پشت پناہی پر ناچنے والوں کا حشر عبرت ناک ہوتا ہے۔ وقت ہے کہ وہ نوشتۂ دیوار پڑھ لیں۔

پیپلز پارٹی کے خلاف نئی سازش

افضل صدیقی

یکم جنوری سے ۲۵ مارچ تک ہر طرف سے ایک ہی آواز اٹھ رہی تھی۔

"اقتدار عوامی لیگ کے حوالے کر دیا جائے۔"

اور ۲۵ مارچ کے بعد یہ شور بلند ہو رہا ہے۔

"اقتدار کسی کو نہ سونپا جائے اور انتخابات دوبارہ کرائے جائیں۔"

پہلی صدا لگانے والے جو لوگ تھے وہی لوگ دوسری صدا لگا رہے ہیں۔ پہلے بھی وہ دوسروں کے اشارے پر ناچ رہے تھے اور اب بھی ان کی ڈوری کوئی اور ہلا رہا ہے۔ ورنہ یہ لوگ اپنے ذہن سے سوچتے اور ملک کی سلامتی سے واقعی کوئی دلچسپی انہیں ہوتی تو ۲۵ مارچ سے پہلے ان کی حُبّ الوطنی دھان منڈی کے کسی کونے میں پڑی نہ سسک رہی ہوتی۔ ان کے اخلاص و وفاشعاری کا اندازہ ان کی صرف ایک ادا سے لگایا جا سکتا ہے۔ انہیں اگر اس بات کی رعایت دے دی جائے کہ یہ کنونشنیے "یہ پی ڈی پیئے"، اور یہ جماعتیے ۲۵ مارچ سے پہلے غنڈوں کی دہشت گردی کی وجہ سے خاموش تھے۔ ڈرتے تھے کہ کہیں ان کی جان و مال پر نہ بن جائے۔ (حالانکہ وطن کی راہ میں جان دینے والے بھی شہادت کا رتبۂ بلند پاتے ہیں) اس لئے غنڈوں کی ہمنوائی پر مجبور تھے۔ مگر اب انھیں کس کا ڈر ہے۔ اب کون ان کی جان لینے پر تلا ہوا ہے۔ جو وہ اظہار حق سے گریز ہی نہیں کر رہے ہیں بلکہ حق کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں۔ نہ صرف حق کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں بلکہ صدر مملکت کی خواہش اور پروگرام کی مخالفت میں بھی بیان بازی کر رہے ہیں۔ ایسا ایسا قانونی استدلال اور آئینی جواز پیش کیا جاتا ہے وغیرہ کا ڈھونڈ کر لاتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کبھی کوئی کسی بڑے پاکستان ساز لیڈر کے کسی بیٹے کو اپنا سہارا بنا کر آگے بڑھتا ہے۔ کبھی کوئی کسی مانے ہوئے محب وطن سیاست دان کی بیٹی کو ڈھال بنا کر بیانات کی گولہ باری کرتا نظر آتا ہے۔ جب یہ دونوں دستیاب نہیں ہوتے تو ایک دو نہیں پورے ایک درجن وکیلوں کی فوج لیکر چڑھ دوڑتا ہے کہ کیسا "اقتدار" کہاں کے انتخابات۔! عوامی لیگ خلاف قانون قرار دے دی گئی۔ جو اکثریتی جماعت بن کر ابھری تھی تو اسمبلیاں بھی ختم ہو گئیں۔ انتخابات بھی کالعدم ہو گئے۔ اب سب کچھ نئے سرے سے ہونا چاہیئے۔ قانونی رایئں اور منطق کے ان ٹھیکیداروں سے کوئی یہ تو پوچھے کہ جتنی آسانی کے ساتھ تم نے دلیل دے دی ہے کہ دوبارہ انتخابات بھی اسی طرح چٹکی بجاتے ہو جائیں گے۔ اور وہ بھی مخلوط نہیں، بلکہ جداگانہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صدر کے قانونی ڈھانچہ کو بھی یہ لوگ ختم کرنا چاہتے ہیں۔

صدر نے بارہا یہ کہا ہے کہ وہ جلد از جلد اقتدار عوامی نمائندوں کے حوالے کرنا چاہتے

مشرقی پاکستان میں کالعدم عوامی لیگ کے بعد صرف پی ڈی پی کے نور الامین صاحب ہی منتخب ہو سکے۔ اس لئے کہ وہ اتنے ضرر رساں نہیں سمجھے جاتے۔ مشرقی صوبے میں جماعت اسلامی نے خود ہی اپنے اوپر پابندی لگا لی۔ جس طرح عوامی لیگ نے مغربی پاکستان میں عائد کر لی تھی۔ اس کا بھی کوئی ممبر یہاں منتخب نہ ہو سکا۔ ان سب پارٹیوں نے ایل ایف او کو تہہ دل سے قبول کر لینے کے بعد اسی کی بنیاد پر انتخاب لڑا تھا۔ یعنی اس وقت سب نے مخلوط طریق انتخاب کو تسلیم کر لیا تھا۔ کسی کو اس وقت جداگانہ انتخاب کے مطالبے کی جرأت بھی نہ ہو سکی۔ حالانکہ سب کو معلوم تھا کہ "ایک فرد ایک ووٹ" کا مطلب کیا ہے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر الیکشن کرانے کا مطالبہ ان سب سیاسی جماعتوں کے جید لیڈروں نے کیا تھا۔ اور اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ اور مطالبہ منوا کر چھوڑا۔ اور جب مطالبہ مان لیا گیا اور ان کی حسب خواہش الیکشن ہوئے تو انہوں نے اپنا حشر دیکھ لیا۔ یہ حشر بڑا عبرت انگیز اور سبق آموز تھا۔

بعض سیاسی لیڈروں کا لب و لہجہ تبدیل ہو رہا ہے

ہیں۔ ۲۶ مارچ کو صدر مملکت نے جو نشری تقریر کی، اس کے آخر میں بھی انہوں نے واضح طور پر اعلان کیا تھا کہ حالات سازگار ہوتے ہی اقتدار کی منتقلی کا مرحلہ طے کرنے کے سلسلہ میں قدم اٹھایا جائے گا۔ اس کی خواہش وہ اب بھی رکھتے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ مغربی پاکستان کی کسی سیاسی جماعت نے وطن سے غداری نہیں کی۔ ورنہ یہاں بھی کسی سیاسی جماعت پر پابندی لگا دی جاتی۔ بالفاظ دیگر ان کا قانونی وجود اور انتخابات میں کامیابی تسلیم کر لی گئی ہے

کہ اقتدار کے خوابوں کی فلک بوس عمارت زمین دوز ہو گئی تھی۔

عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان میں اور پیپلز پارٹی نے مغربی پاکستان میں سوشلسٹ اقتصادی نظام ملک میں رائج کرنے کے لئے انتخاب لڑا تھا۔ عوام نے دونوں پارٹیوں کے لیڈروں کو محض اس لئے کامیاب کرایا تھا کہ وہ سرمایہ دارانہ نظام کی چکی میں پستے پستے عاجز آ گئے تھے۔ انھوں نے برچھی کی جگہ پرچی سے کام لیا اور انقلاب لے آئے۔ مشرقی پاکستان میں عوام نے ملک کو تقسیم کرنے کے لئے ووٹ عوامی لیگ کی جھولی میں نہیں ڈالے تھے۔ انہیں یہ خبر ہی نہیں تھی کہ عوامی لیگ میں ایسے کارندے بھی ہیں جو انہیں دشمن کے ہاتھ فروخت کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ لیکن یہ لیڈر تو خواص میں سے تھے انہیں تو معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ ہوا کا رخ کدھر ہے۔ ممکن ہے انہیں سب کچھ معلوم بھی رہا ہو۔ مگر جان بوجھ کر انجان بن گئے۔ عوامی لیگ کی "کشتی" تو پار لگ چکی تھی۔ انھوں نے سوچا بوڑھی گنگا تو بہہ رہی ہے، اسی میں ہاتھ دھو لو۔ بس پھر سب نے ایک سُر میں ایک تال پر یہ راگ الاپنا شروع کر دیا:

- جلد اقتدار عوامی لیگ کو سونپ دو۔
- جلد مارشل لاء اٹھاؤ۔
- فوراً قومی اسمبلی کا اجلاس بلاؤ۔

اور یہ راگ الاپنے کی وجہ صرف ایک تھی کہ الیکشن کے بعد ملک کی دوسری بڑی اکثریتی جماعت اور اب پاکستان کی سب سے بڑی اکثریتی جماعت پیپلز پارٹی کو وہ برسر اقتدار نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ کیوں کہ وہ سرمایہ داروں کے ایجنٹ تھے۔ ان سرمایہ داروں کے جنھوں نے عوامی لیگ سے پوری طرح گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے سے بڑے اونچے وعدے کر لئے تھے لیکن پیپلز پارٹی کا کمٹ منٹ عوام کے ساتھ تھا۔ اور جس کا کمٹ منٹ عوام کے ساتھ ہو وہ غداری کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اسے عوام کے غضب کا اندازہ ہوتا ہے۔ صرف پیپلز پارٹی ہی وہ واحد سیاسی جماعت تھی جس کے سربراہ نے مظلوم عوام کے بجائے صرف اقتدار کے رُخ پر چلنے والی ہوا کے تیور پہچان لئے تھے۔ اسے نظر آ رہا تھا کہ پیپلز پارٹی کو نظر انداز کر کے اقتدار بعجلت عوامی لیگ کو سونپ دیا گیا، مارشل لاء اٹھا لیا گیا اور قومی اسمبلی کا اجلاس بلا کر چھ نکات کی بنیاد پر آئین بننے دیا تو پاکستان ایک نہیں رہ سکے گا۔ عوامی لیگ تن تنہا وہی کر گزرے گی جو بھارتی حکومت نے کشمیر کی خصوصی حیثیت ختم کرنے کے لئے اپنے آئین میں ترمیم کر کے کیا۔ جب پیپلز پارٹی عوامی لیگ کے ملک دشمن عزائم کی تکمیل میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہوئی تو کنونشن کے

دوبارہ اور جداگانہ انتخاب کا نعرہ عوام کے خلاف ایک گہری سازش

مینڈک پھر ٹرانے لگے۔

"بھٹو غدار ہے —— جمہوریت دشمن ہے —— لادین ہے ——"

ان سب کے نزدیک مجیب الرحمن حضرت مولانا شیخ مجیب الرحمٰن بن گیا تھا۔ ان لوگوں نے شیخ مجیب کے غبارے میں اتنی پھونک بھری اتنی پھونک بھری کہ وہ پھول کر پھٹ گیا۔ جب یہ غبارہ پھٹا تو پھر ایک بھی جمہوریت کا نام نہاد نام لیوا نظر نہ آیا۔ سب کو سانپ سونگھ گیا کئی دنوں تک کسی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ اس قدر گہرے سکتے کا عالم سب پر طاری تھا۔

اور جب حُبّ وطن کی پیمائش ہونے لگی تو یہی لوگ اپنی عاقبت کو خراب ہونے سے بچانے کے لئے خم ٹھونک کر آگے بڑھ آئے۔ دیکھو محبّ وطن ایسے ہوتے ہیں۔ اور پھر وہ شور اٹھا کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔

"پاکستان ایک ہے اور ایک رہے گا۔ بھارت اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ فوج اور عوام مل کر بھارتی ایجنٹوں کا صفایا کر دیں گے۔ بھارت کو ۱۹۶۵ء کی طرح پھر منہ کی کھانی پڑے گی۔"

یہ بڑی پیاری باتیں تھیں ان کو بار بار دُہرایا جانا چاہیئے تھا۔ مگر جب کسی کی نیت ہی خراب ہو تو اس سے کیا توقع رکھی جائے۔

چنانچہ یہ آوازیں۔ یہ نعرے اور یہ پیاری باتیں دھیمی پڑنے لگیں۔ حُبّ الوطنی کا چولا بدلنے لگا۔ قومی اتحاد اور ملکی سالمیت کے معنی کچھ اور ہی نکالے جانے لگے۔

دسمبر کے انتخابات ختم —— دوبارہ انتخابات —— جداگانہ انتخابات نئی مردم شماری کی بنیاد پر انتخاب۔ ۱۹۵۶ء کا آئین لاؤ۔ اقتدار کی منتقلی کیسی ہے، اقتدار منتقل ہو تو مشرقی اور مغربی پاکستان میں ایک ساتھ عوامی نمائندوں کو منتقل کیا جائے۔ ورنہ پھر انتخاب۔!

۲۳ سال میں سخت مراحل سے گزرنے اور عوام کی طرف سے بے پناہ قربانیاں دینے کے بعد پہلی مرتبہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات ہوئے تھے۔ ان پر پانی پھیر کر دوبارہ انتخاب اور جداگانہ انتخاب کا نعرہ لگانے والے ہی خواجہ خیر اندیش قسم کے لیڈر ہیں۔ جو فوری طور پر مجیب کے حوالے کرنے کیلئے بے چین نظر آ رہے تھے۔ اور تو اور بھٹو کی کھُل کر حمایت کرنے والے احتیاط پسند قیوم خاں کی روش بھی بدل رہی ہے۔ لہجہ تبدیل ہو رہا ہے۔ ایک وہ کیا سبھی کی مصلحتوں کا لباس تبدیل ہو رہا ہے۔ عوام کے ٹھکرائے ہوئے لیڈروں کا ایک گروہ تیار ہو رہا ہے۔ مشرقی پاکستان میں بھی اور مغربی پاکستان میں بھی۔ اس گروہ کا وہی پرانا آئین جہانبانی ہے عوام کو ان کے حقوق نہ ملنے پائیں۔ اقتصادی پسماندگی دور نہ ہونے پائے۔ بیروزگاری اور فاقوں کے جہنم میں جلنے والے خوشحالی اور بے احتیاجی کی جنت کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں۔ سہروردی مرحوم کی صاحبزادی، بیگم اختر سلیمان ڈھاکہ۔ جاری

کیا مشرقی پاکستان کی قیادت نورالامین کو سونپ دی جائے گی؟

ہیں جہاں وہ کالعدم عوامی لیگ کے ارکان اسمبلی کو نورالامین صاحب کی قیادت میں آمادہ کرنے کی جدوجہد شروع کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ ان کا فلسفہ یہ ہے کہ مشرقی پاکستان میں سیاسی سرگرمیوں کی بحالی سے قبل مغربی پاکستان میں منتخب نمائندوں کو اقتدار منتقل کیا گیا تو اس سے مشرقی پاکستان کے عوام میں مایوسی اور بددلی پیدا ہو جائے گی۔

گویا جداگانہ انتخاب کا نعرہ لگایا جائے اور نئے سرے سے انتخاب کرانے کی باتیں کی جائیں تو اس سے مشرقی پاکستان کے عوام میں مایوسی پیدا نہیں ہوتی۔ جہاں اقتدار پیپلز پارٹی کو منتقل کرنے کا سوال اٹھا تو فوراً ہر جگہ مایوسی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

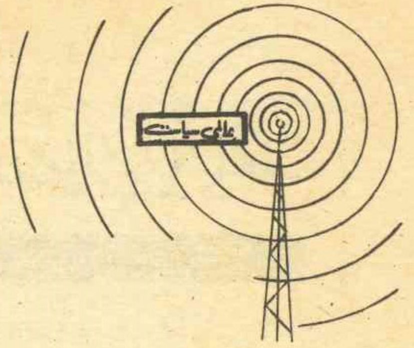
اپنی اپنی پسند کی یہ تاویلات خوب ہیں۔ ایک درجن وکلا یہ کہتے ہیں کہ عوامی لیگ خلاف قانون قرار پا چکی ہے۔ اس لئے اس کے ٹکٹ پر کامیاب ہونے والوں کی اسمبلی کی رکنیت ختم ہو گئی۔ اس لئے نیا دانہ پانی ہوگا۔ ادھر بیگم اختر سلیمان ان کی رکنیت کو ختم نہیں سمجھتیں بلکہ سارے اراکین کو نورالامین کی قیادت میں دینا چاہتی ہیں تاکہ اسلام کا بول بالا ہو۔ اور ملکی سالمیت کو نقصان نہ پہنچنے پائے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب مشرقی پاکستان کے عوام کی اکثریت کو محبّ وطن ثابت کر دیا گیا ہے اور ملکی سالمیت کو نقصان پہنچانے والوں کو ٹھکانے لگانے میں فوج سے بھرپور تعاون کر رہے ہیں تو پھر ان کے بارے میں ایسے شکوک کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ کیا اس سے ان میں مایوسی نہیں پھیلے گی؟ اور امید اس وقت پیدا ہوگی جب تمام منتخب اراکین اسمبلی خود کو نورالامین کی قیادت کے حوالے کر دیں۔

سیدھی سادی بات ہے اور اس میں کوئی قانونی ہیر پھیر نہیں کہ اگر کوئی سیاسی جماعت غیر قانونی قرار دے دی جائے تو اس کے ٹکٹ پر کامیاب ہونے والے اراکین اسمبلی کو اس جماعت سے لاتعلق سمجھا جاتا ہے تاوقتیکہ وہ قانون یا صدر کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں اب تو یہ میر اس قسم کے بیانات دینے لگے ہیں کہ ان کا عوامی لیگ سے اب کوئی تعلق نہیں۔ یہ منتخب اراکین اگر کسی اور سیاسی جماعت میں شامل ہو جائیں یا اپنا آزاد گروپ بنالیں تو ان کی رکنیت کو بہر حال ختم نہیں ہوتی۔ اس سلسلے میں اگر کوئی قانونی سقم رہ بھی جاتا ہے تو بہر حال صدر کو ہر قانون میں ترمیم کر کے اس کے سقم کو دُور کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ وہ سقم دُور کر سکتے ہیں۔ لیکن [illegible] شگافیوں کے ذریعہ انتخابات دوبارہ کرانے کا [illegible] وہی عیاشی لوگ کر سکتے ہیں جن کے پاس [illegible] اور لنڈھانے کو بہت ہو۔ پیٹ پر [illegible] کر رات دن کام کرنے والے کروڑوں مفلوک الحال انسان اس عیاشی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

ملک کی سلامتی کے بعد اصل مسئلہ سیاسی اور اقتصادی بحران کو دُور کرنے کا ہے جو بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ مشرقی پاکستان میں رونما ہونے والے واقعات نے تو اس بحران کو شدید تر کر دیا ہے۔ سیاسی اور انتظامی بحران سے زیادہ ملک کے لئے نقصان رساں اقتصادی بحران بن جاتا ہے۔ اور جب اقتصادی بحران قابو سے نکل جائے تو پھر اوپر کی لیپا پوتی سے کام نہیں چلتا ان حالات میں اگر چار صوبوں میں جزوی طور پر اقتدار عوامی نمائندوں کو سونپ دیا جائے تو عوامی خواہشات کے مطابق اقتصادی مسائل حل کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ جو عوام کی بے چینی کا اصل سبب بنے ہوئے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہی صورت مشرقی پاکستان میں بھی اختیار کی جاسکتی ہے۔ اس وقت تک کے لئے کسی برگزیدہ اور غیر متنازعہ شخصیت کی انتظامی سربراہی میں جس پر وہاں کے زیادہ لوگوں کو اعتماد ہو، کام چلایا جا سکتا ہے۔ آخر عام حالات میں ایسی بحرانی کیفیت کسی صوبے میں پیدا ہو جائے تو وہاں گورنر راج نافذ کر دیا جاتا ہے یا نہیں۔ مشرقی پاکستان میں تیزی سے صورت حال بہتر ہو رہی ہے۔ اس مہینے کے اندر وہ صوبہ بھی عوامی اقتدار کی ذمہ داری اٹھانے کے قابل ہو جائے گا۔

بہر حال اس وقت پیپلز پارٹی کو سخت آزمائش کا سامنا ہے۔ اور مستقبل میں بھی اسے نئی آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا۔ عوام کی لاتعداد مشکلات اور مصائب ہیں ان سب سے اسے نمٹنا ہے۔

اس سے پہلے کہ عوام محض وعدے سنتے سنتے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں اسے اپنی صفیں درست کرنی پڑیں گی۔ اہم ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے لئے خود کو ہر طرح تیار کرنا پڑے گا عوام اب زیادہ عرصے تک سرمایہ پرستوں کا ظلم و جبر برداشت نہیں کر سکیں گے۔ پیپلز پارٹی کو صحیح معنوں میں اگر عوامی انقلاب کی قیادت کا شرف حاصل کرنا ہے تو پارٹی کے سربراہ کو اپنے نئے ساتھیوں کی خواہشات کے آگے بند باندھنا پڑے گا جن لوگوں نے اس کڑے سفر کی صعوبتیں نہیں جھیلی ہیں انہیں کیا خبر بھوک افلاس جہالت اور استحصال سے نجات حاصل کرنے کے لئے آگ اور خون کی کتنی ہولناک وادیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔





چینی عوام دنیا بھر کے عوام کے قریب تر ہو رہے ہیں

ثقافتی

انقلاب کے بعد چین ترقی، خوشحالی اور سیاسی استحکام

کے ایک نئے دور میں داخل ہو چکا ہے۔ چین اب اتنا طاقت ور ملک بن گیا ہے کہ اُسے کسی حال میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ امریکی سامراج نے چین کو عالمی برادری سے الگ تھلگ رکھنے کی جو پالیسی وضع کی تھی وہ چین کی بڑھتی ہوئی طاقت کے سیلاب میں تنکے سے زیادہ ثابت نہ ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی سامراج اور اس کے حواری چین کو ذہنی طور پر قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔ امریکی سامراج چین سے تجارتی تعلقات استوار کرنے کا خواہش مند ہے۔ مغربی جرمنی، جاپان اور کناڈا پہلے ہی چین سے تجارتی تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں۔ اور اب سامراجی کیمپوں میں یہ بات بھی بار بار سُنی جا رہی ہے کہ "چین کو اقوام متحدہ میں شریک کئے بغیر کام نہیں بنے گا"۔ صدر نکسن بھی اپنی ریڈیو اور ٹیلیویژن کی تقریروں میں اس جانب اشارہ کر چکے ہیں کہ امریکہ چین سے اپنے تعلقات معمول پر لانا چاہتا ہے۔ انہوں نے چند روز پہلے اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہُوئے کہا کہ "امریکہ اور چین کے درمیان آمد و رفت اور تجارت کے میدان میں کچھ ترقی ہُوئی ہے"

نکسن نے چین کو سفارتی سطح پر تسلیم کرنے اور اقوام متحدہ میں اس کی رکنیت کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہُوئے کہا "یہ سوال قبل از وقت ہے، اس کے بارے میں ابھی سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان تمام باتوں کا انحصار پیکنگ کے رویے پر ہے"۔

صدر نکسن نے اصل سوال کا جواب جس انداز میں دیا ہے وہ سامراج کے مکروہ عزائم کا زندہ ثبوت ہے۔ امریکی سامراج تائیوان کے مسئلہ پر چین کے رویے میں لچک پیدا کرنا چاہتا ہے اور اسی لئے وہ اقوام متحدہ میں چین کی رکنیت کے سوال پر ہمیشہ سے ٹال مٹول کی پالیسی پر گامزن ہے۔ امریکی سامراج چین کے انقلابی کردار سے بھی خائف ہے لہٰذا وہ ایک ایسی فضا ہموار کرنا چاہتا ہے جس سے عالمی برادری میں چین کا اثر گھٹ جائے۔ اور اس کی ساری سرگرمیاں دیوار چین تک محدود ہو کر رہ جائیں۔

چین امریکی سامراج کی اس منافقانہ چال سے بخوبی واقف ہے۔ تائیوان کے مسئلے پر کوئی سمجھوتہ نہ ہوگا۔ چین کا موقف واضح ہے "تائیوان کی کٹھ پتلی حکومت، چین کے جسم پر پھوڑا ہے۔ اُسے پھوٹنا ہے۔ چین عالمی برادری میں اپنا انقلابی کردار کبھی ترک نہ کرے گا۔ اس بات کو چین اور جاپان کے تجارتی تعلقات سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ گزشتہ کئی



سالوں سے چین اور جاپان میں خام مال اور اشیاء کا لین دین ہو رہا ہے مگر چین کے انقلابی کردار میں کوئی لچک پیدا نہ ہوئی اور وہ جاپان کی توسیع پسندانہ حکمتِ عملی اور سامراجی مقاصد پر تابڑ توڑ حملے کر رہا ہے۔ وہ دُنیا بھر کے مظلوم عوام کی حمایت، سامراج اور اس کے حواریوں کی مخالفت کرتا آیا ہے اور کرتا رہے گا۔ امریکی سامراج اصل مسئلے کو حل کئے بغیر چین سے خوش گوار تعلقات قائم کرنے کی آگ میں سلگ رہا ہے۔ یہ اس کی بھاری غلطی ہے۔ رہ گیا امریکہ اور اس کے پٹھو ملکوں سے تجارتی اور ثقافتی تعلقات کا سوال تو اس کے بارے میں امریکہ اور کناڈا کی ٹیبل ٹینس ٹیم کی ضیافت کے موقع پر آل چائنا اسپورٹس فیڈریشن کے رکن لی چنگ چوان کی تقریر کا حوالہ کافی ہوگا۔ انہوں نے کہا:۔

"اسپورٹس کے ذریعہ دو ملکوں کے عوام کو ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقع ملتا ہے۔ کھلاڑی دو ملکوں کے عوام کے درمیان ایک موثر رابطے کا کردار انجام دیتے ہیں، آپ لوگوں کی آمد سے ہم بے حد مسرور ہیں۔ ہمارا یہ تجربہ دونوں ملکوں کے عوام کے درمیان دوستی کے جذبے کو فروغ دینے میں مدد دے گا"۔

تجارتی اور ثقافتی تعلقات بتدریج سیاسی تعلقات میں تبدیل ہوتے ہیں اور اس کا اثر بلکہ گہرا اثر عوام پر پڑتا ہے۔ تجارتی اور ثقافتی تعلق دو ملکوں کے عوام کو قریب لانے کا ایک ذریعہ ہے۔ عظیم رہنما چیئرمین ماؤ کی قیادت میں چینی عوام تیزی کے ساتھ دنیا بھر کے عوام سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔

انقلاب نفری تعداد کا محتاج نہیں رہا

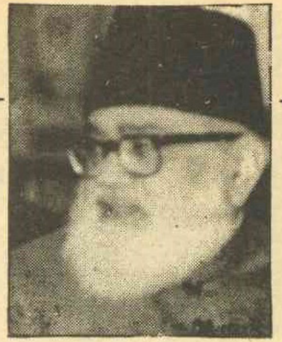
اریٹیریا کے حریت پسندوں نے امریکہ کا ایک جاسوس طیارہ مار گرایا۔ یہ طیارہ حریت پسندوں کے ٹھکانوں کا سراغ لگا رہا تھا۔ اس طیارے کے پائلٹ سمیت تین امریکی ہلاک ہو گئے۔ تباہ شدہ طیارے سے کئی اہم دستاویزات بھی ملی ہیں۔ جس کے مطابق امریکی جاسوس طیارہ بحیرہ احمر کی جنوب مشرقی بندرگاہ مساوا کے قریب گیبلی گادم کے علاقہ پر پرواز کر رہا تھا۔ یہ علاقہ حریت پسندوں کے قبضہ میں ہے۔

اریٹیریا ۱۹۵۸ء تک ترکوں کی خلافتِ عثمان کا حِصّہ تھا۔ اسی سال اٹلی نے اس علاقہ کو ترکوں سے چھین لیا۔ اور اس کو نو آبادی بنا لیا۔ ۱۹۴۲ء میں اٹلی کی فسطائی طاقت کو شکست ہوئی اور یہ علاقہ اتحادیوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر اریٹیریا کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کیا گیا۔ امریکی سامراج کی تحریک پر اریٹیریا کو عوام کی مرضی کے خلاف ایتھوپیا کے وفاق میں شامل کر دیا گیا اور اس کے عوض امریکہ نے اریٹیریا میں جنگی اڈے قائم کرنے کی مراعات حاصل کر لیں۔ اقوامِ متحدہ میں اریٹیریا کے بارے میں جو قرارداد منظور کی گئی تھی اس میں اریٹیریا کو الگ حکومت بنانے، الگ قومی پرچم رکھنے اور دستور بنانے کا حق دیا گیا تھا مگر ایتھوپیا کے شہنشاہ ہیل سلاسی نے عالمی ادارے کی قرارداد کو نظر انداز کرتے ہُوئے اریٹیریا کو نو آبادی بنا لیا اور وہاں کے عوام کے خلاف بڑے پیمانے پر انتقامی کارروائی شروع کر دی گئی۔ چنانچہ اریٹیریا کے عوام نے ۱۹۶۱ء سے اریٹیریا کی آزادی اور خود مختاری کے لئے مسلح جدوجہد شروع کر دی اریٹیریا کے حریت پسندوں نے انتہائی تہی دستی کے عالم میں مسلح جدوجہد کا آغاز کیا تھا۔ اُن کی تعداد بھی بہت کم تھی۔

مگر وقت گزرنے کے ساتھ حریت پسندوں کی تعداد میں اضافہ ہُوا۔ اور اُن کی کارروائی کا دائرہ بھی وسیع ہوتا چلا گیا۔ آج حریت پسند اریٹیریا کا ایک بہت بڑا حِصّہ آزاد کرانے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ اس دوران امریکی سامراج ایتھوپیا کی جابر حکومت کی ہر طرح سے امداد کرتا رہا۔ ایتھوپیا کی فوجوں کو جدید اسلحہ سے مسلح کیا گیا۔ حریت پسندوں کے خلاف فوجی کارروائی کے بہانے شہری آبادی پر بم برسائے گئے۔ بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کی گئیں اور عوام کو بدترین انتقام کا نشانہ بنایا گیا۔ مگر قومی محاذِ آزادی کے حریت پسندوں نے آزادی کی راہ نہ چھوڑی اور وہ امریکی سامراج اور ایتھوپیا کی حکومت کے مقابلے میں ہر روز نئی فتوحات حاصل کرتے گئے امریکی جاسوس طیارہ مار گرانے کا واقعہ ان کا تازہ کارنامہ ہے۔ دو سال پہلے اسی طرح اریٹیریا کے تین حریت پسندوں نے کراچی کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر ایتھوپیا کی سرکاری ائرلائنز پر حملہ کر کے دنیا بھر کے عوام کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

مستقبل کا ہر لمحہ، اریٹیریا کے انقلابیوں کا ہے آخری اور مکمل فتح حریت پسندوں کے لئے وقف ہو چکی ہے۔

مجیب سے اتحاد چین دُشمن پالیسی اور اکھنڈ بھارت کی بُنیاد پر کیا گیا تھا







یہ چین کے دُشمن ہیں

الفتح فیچر

۱۹۶۵ء کی قومی جنگ میں عوامی جمہوریہ چین نے جس طرح پاکستان کا جرأت مندانہ ساتھ دیا وہ نہ صرف پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے، بلکہ قوموں کی دوستی کی تاریخ کا ایک لازوال باب بھی ہے۔ اب حال ہی میں جب ایک بار پھر بھارت کی طرف سے پاکستان کی سلامتی کو خطرہ لاحق تھا، امریکہ اور روس بھی درپردہ سازشوں میں مصروف تھے، اس وقت بھی ہمارے دوستوں میں سے صرف چین ہی آگے بڑھا اس کی مسلسل یقین دہانیوں، چین کے وزیراعظم چو این لائی کے واضح اعلان کے بعد بین الاقوامی سیاست کا پانسہ پلٹ گیا۔ اور جو ممالک بھارت کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے وہ بھی اپنے موقف میں تبدیلی پر مجبور ہو گئے چین نے پاکستان سے اپنی دوستی کے تمام تر عرصے میں ایک انتہائی سچے اور مخلص دوست کا کردار ادا کیا ہے۔ جب بھی پاکستان کی سلامتی کو خطرہ درپیش ہوا، اس نے پاکستان کی حمایت کا اعلان کیا۔ اور کبھی اس نے پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کی اور نہ پاکستان کے خلاف کسی سازش میں حصہ لیا۔ پاکستان کو چین نے اب تک جو امداد یا قرض دیا اس پر کوئی سود بھی وصول نہیں کیا ہے۔ اس سے زیادہ چین کے کردار کی کیا عظمت ہو سکتی ہے۔

اس کے باوجود پاکستان میں احسان فراموش لیڈر اور جماعتیں موجود ہیں جو وقت ملنے پر چین پر حملہ کرنے اور مختلف الزامات عائد کرنے سے بھی نہیں چوکتیں۔ آج کل تو یہ لیڈر مجبوری کے عالم میں منہ کی کھا رہے ہیں اور چین کے اعلان پر تشکر کا اظہار کر رہے ہیں۔ کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ لیکن وہ درحقیقت میں چین سے خوش نہیں ہیں۔ اس سے پہلے انھوں نے مجیب کی حمایت کی تھی۔ اور تمام تر اقتدار اس کے حوالے کر دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ کیونکہ مجیب سے تعلقات توڑنے کے حق میں تھے۔ چین دشمنی ہی مجیب اور ان کے درمیان قدر مشترک تھی۔ یہ لوگ چین کے کیوں دشمن ہیں اس لئے کہ چین پاکستان کے وجود کو تسلیم کرتا ہے اور پاکستان کی سلامتی کا خواہش مند ہے مجیب صاحب بھی پاکستان کو ختم کرنے کے درپے تھے اور ان حضرات نے بھی پاکستان کو آج تک تسلیم ہی نہیں کیا۔

چین کے بارے میں ان کے حقیقی جذبات، ارادے اور عزائم کا اظہار ذیل میں دیئے گئے چند اقتباسات سے ہو سکتا ہے۔ جو ان حضرات کی تقریروں، مضامین اور رسائل و اخبارات سے لئے گئے ہیں۔ یہ اقتباسات زیادہ تر ۱۹۷۰ء کی انتخابی مہم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء ۱۹۶۵ء کے بعد آیا تھا جب چین نے کسی باقاعدہ معاہدے کے بغیر ہی پاکستان کو ہر قسم کی امداد دینے کا وعدہ کیا اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اگر اس وقت چین پاکستان کی امداد کے لئے یوں کھل کر میدان میں نہ آتا تو حالات یقیناً سنگین ہو جاتے۔ کیونکہ روس امریکہ دونوں بھارت کی طرف تھے۔ دوسری مغربی طاقتیں بھی بھارت کی طرف تھیں۔

چین دشمن یعنی پاکستان دشمن ان طاقتوں کے لئے یہ بات سب سے زیادہ پریشانی کا باعث بنی کہ جنگ کے نازک وقت کے دوران چین نے بروقت امداد سے بارہ کروڑ پاکستانیوں کے دلوں میں اپنے لئے گھر کر لیا۔ اور اس دوستی کے پروان چڑھنے والے پودے کو کاٹ دینا ان کے بس میں نہ رہا۔ لیکن انہوں نے چین کی قیادت، چین کے نظام اور مجموعی طور پر چین کے خلاف نفرت کا زہر پھیلانے کی مہم جاری رکھی اور من گھڑت کہانیاں یا ترمیم پسند روسیوں کے حوالے سے خبریں چھاپتے رہے۔

ان احسان فراموشوں کی ہرزہ سرائی ملاحظہ ہو:۔

چین کی دیواریں کان رکھتی ہیں

"میں اپنے دوست کے ہمراہ جو پی آئی اے میں ملازم ہیں، حضرت سعد بن ابی وقاص کے مزار کی زیارت کرنے پہنچا۔ ایک چھوٹے سے باغ میں رسول کریمؐ کے یہ جلیل القدر صحابیؓ محوآرام ہیں۔ صدر دروازے پر چیئرمین ماؤ کی قدآدم تصویر لگی ہے۔ چاروں جانب ویرانی کا سماں تھا۔ یہاں ایک بوڑھے چینی سے ملاقات ہوئی۔ بڑی مشکل سے وہ السلام علیکم کہہ سکا۔ اسے کلمہ بھی یاد نہیں تھا۔ میں نے کلمہ پڑھ کر سنایا تو جواب میں اس نے بھی چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ دہرائے اس کے سینے پر چیئرمین ماؤ کی تصویر والا بیج لگا تھا۔ میں نے اشاروں میں پوچھا آپ نے اس جگہ بھی بیج لگا رکھا ہے۔ آپ تو صحابیٔ رسولؐ کے قدموں میں رہتے ہیں۔ اس بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے روضے سے ملحق ایک اجاڑ سی عمارت ہے۔ جو کبھی مسجد رہی ہو گی۔ اب اس کی دیواروں پر چیئرمین ماؤ کے اقوال کندہ ہیں۔ میں نے سوچا یہاں اسلام کتنا "خالص" اور "طاقتور" ہے۔

(سید فیاض الدین۔
ہفت روزہ "زندگی" ۶ اکتوبر ۱۹۶۹ء)

"زندگی" جماعت اسلامی کا اخبار ہے۔

جماعت اسلامی کے رہنماؤں نے بھی اپنے بیانات میں چین کے خلاف زہر پھیلایا۔ امیر جماعت اسلامی مشرقی پاکستان پروفیسر غلام اعظم نے تو مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے سلسلے میں

جماعت اسلامی کے اخبارات نے چین دشمنی میں آکاش وانی کو مات کر دیا

بھارت امریکہ اور چین کو ایک صف میں رکھنے کی مذموم کوشش کی۔ اور چین پر بھی مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی سازش میں ملوث ہونے کا شرانگیز الزام عائد کیا۔

پروفیسر غلام اعظم کا شرانگیز بیان

یہ بات تو پہلے سے لوگوں کو معلوم ہے کہ امریکہ مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنا چاہتا ہے تاکہ مشرقی پاکستان بھارت کے ساتھ مل کر چین کا مقابلہ کر سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بھارت چین کے خلاف جارحانہ لڑائی صرف آسام کی سرحد پر لڑ سکتا ہے۔ باقی مقامات پر سرحد ہموار نہیں اور چینی علاقے کی سطح بھارتی علاقے سے بلند ہے۔ آسام تک پہنچنے کے لئے مغربی بنگال سے راستہ جاتا ہے۔ یہ راستہ مشرقی پاکستان کی سرحد کے ساتھ (۷۰ میل چوڑی پٹی کی صورت میں) گزرتا ہے۔ اگر مشرقی پاکستان کے تعلقات بھارت سے کشیدہ ہوں تو یہ پٹی بھی کھلی نہیں رہ سکتی۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران بھارت نے یہ راستہ غیر محفوظ سمجھ کر اس کے ذریعے نقل و حرکت بند کر دی تھی۔ چنانچہ چین سے لڑنے کے لئے پاکستان کے ساتھ بھارت کے خوشگوار تعلقات ضروری ہیں۔ پاکستان مسئلہ کشمیر کے حل کے بغیر بھارت سے تعاون کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے امریکہ کے سامنے چارہ کار یہی ہے کہ مشرقی پاکستان میں علیحدگی کی تحریک پیدا کی جائے۔ جب سے روس اور امریکہ کے درمیان پرامن بقائے باہمی نے جنم لیا ہے۔ دونوں میں اس منصوبے پر بھی اتفاق رائے ہو گیا ہے۔ دونوں چین کے مقابلے کے لئے "آزاد مشرقی بنگال" کے منصوبے کو اپنانے لگے ہیں۔ چین پہلے اس منصوبے کا سخت مخالف تھا۔ لیکن مغربی بنگال میں چین نواز کمیونسٹ پارٹی مضبوط ہو جانے سے اس کے خیالات میں بھی تبدیلی آئی ہے۔ اب مشرقی بنگال، مغربی بنگال اور آسام کو ملا کر اگر ایک متحدہ کمیونسٹ حکومت قائم ہو جائے تو چین اور بھارت کے درمیان مضبوط دیوار حائل ہو جائے گی۔ اور بھارت پر نظر ثانی یلغار بھی جاری رہ سکے گی۔ اس مجوزہ حکومت کی چین براہ راست حفاظت بھی کر سکے گا۔"

نمائندہ "زندگی" سے انٹرویو
۵ جنوری ۱۹۷۰ء

ملاحظہ کیا آپ نے کہ چین پر کس طرح بالواسطہ طور پر الزام لگایا گیا ہے کہ چین بھی مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے الگ کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ دوستی میں یہ لوگ اس حد تک بھی چلے جاتے ہیں کہ پاکستان کی اتحاد اور سلامتی کے سب سے بڑے محسن پر ہی پاکستان کی تقسیم کا الزام علائد کر دیں۔

میاں طفیل محمد کی چین دشمنی

یہ تو تھے مشرقی پاکستان کے امیر جماعت اسلامی اور اب مغربی پاکستان کے امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد کی گوہر افشانی ملاحظہ ہو:-

سوشلزم کے مقابلے میں کیپٹلزم کا نظام کئی درجے بہتر ہے۔ اس لئے کہ اس نظام میں ہر شخص کو اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی ہوتی ہے۔ سندھ کا ظالم سے ظالم وڈیرہ اور پنجاب کا بدتر سے بدتر جاگیردار بھی اپنے ملازم کو جو سہولتیں مہیا کر دیتا ہے، سوشلزم میں اس کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ کیا چین میں زمین اور دولت کی برابر برابر تقسیم ہو گئی ہے، نہیں۔ سوشلزم میں حکمرانوں، کمشنروں اور ڈپٹی کمشنروں میں تو مساوات ہو سکتی ہے۔ لیکن عام شہری اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

("حریت" ۸ جنوری ۱۹۷۰ء)

اب کچھ اور حضرات کی گوہر افشانیاں دیکھیے:

مولانا احتشام الحق تھانوی کی لن ترانیاں

"ڈاکٹر سمیتہ اللہ مرحوم ڈاکٹر سراج الحق اور مغربی پاکستان کے دوسرے علماء کے ساتھ میں نے چین کے دورے میں دیکھا کہ وہاں نہ تو کسی مزدور کو مل کا مالک بنایا گیا اور نہ کسی کسان کو زمین کا مالک بنایا گیا بلکہ پوری قوم کی ملکیت کو ختم کر کے رکھ دیا۔

(جنگ ۱۴ جنوری ۱۹۷۰ء)

یہاں ماؤزے تنگ کا نظام نہیں چاہئیے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ مولوی کے دور میں تو کچھ نہیں ملا سوشلسٹوں کے دور میں شاید کچھ مل جائے گا۔ لیکن انہیں یہ علم نہیں کہ یہ دھوکے کا زمانہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہاں مزدوروں، کسانوں اور غریبوں کی معاشی حالت بہتر ہو۔ لیکن اس کے لئے ماؤ سے بھیک نہیں مانگنی چاہئیے۔

(احتشام الحق تھانوی)
۵ فروری ۱۹۷۰ء

میاں طفیل محمد

متحدہ عرب جمہوریہ، الجزائر، عراق، شام سوڈان اور لیبیا سوشلزم کو اپنے نظریے کے طور پر قبول کر کے کفر کی آغوش میں چلے گئے ہیں اور ان ملکوں میں سچے مسلمان رہنماؤں کا جینا دوبھر ہو گیا ہے۔ روس اور امریکہ نے تمام مسلم ملکوں میں اسلام کو ختم کرنے کے لئے ایک طے شدہ منصوبہ بنا رکھا ہے۔ جہاں تک اسلام کی مخالفت کا تعلق ہے، چین بھی دوسری دو بڑی طاقتوں امریکہ اور روس کے ساتھ ہے

(۶ فروری ۱۹۷۰ء)

انتخابی مہم میں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے احسان فراموش اور پاکستان دشمن حضرات چین کے خلاف نفرت پھیلانے میں مصروف تھے۔ بعض جلسے اور جلوسوں میں چین کے عظیم قائد ماؤزے تنگ کے خلاف بھی نعرے لگائے گئے۔ بعض جلوسوں میں چیئرمین ماؤزے تنگ کی تصاویر جلائی بھی گئیں۔ ایسے میں پاکستان میں چینی سفارت خانے نے دوستانہ احتجاج کیا۔ اس خبر کا متن یہ تھا۔

" اسلام آباد۔ ۵ فروری۔ پاکستان کے بعض سیاست دانوں نے عوامی جمہوریہ چین اور اس کے لیڈروں کے خلاف جو نکتہ چینی کی ہے۔ اس کے بارے میں چین کے سفارت خانے نے حکومت پاکستان سے شکایت کی ہے۔ چینیوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے بقائے باہمی کے پانچ اصولوں کی سختی سے پابندی کی ہے اور کبھی پاکستان کے داخلی حالات پر تبصرہ نہیں کیا۔ اس لئے ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ پاکستان کے سیاستدان چین اور اس کے لیڈروں پر کیوں نکتہ چینی کر رہے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستانی سیاست دانوں نے بعض بڑی طاقتوں پر نکتہ چینی کی ہے۔ لیکن دوسری طاقتیں ہمیشہ طور پر پاکستان کے اندرونی معاملات میں خاصی دلچسپی لیتی ہیں۔ چین نے ہمیشہ پاکستان کے اندرونی حالات پر تبصرہ کرنے سے گریز کیا ہے۔ چین کے لئے یہ بات خاص طور پر قابل اعتراض ہے کہ بعض سیاست دانوں نے چیئرمین ماؤزے تنگ کے بارے میں بھی نازیبا باتیں کہی ہیں جو ہمارے لئے ایسے ہی محترم ہیں جیسے پاکستانیوں کے لئے قائد اعظم۔"

چینی سفارت خانے کا یہ احتجاج تمام قومی اخبارات میں شائع ہوا۔ اور اس سے پاکستان کے تمام محب وطن حلقوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی تھی کہ بعض مفاد پرست سیاسی جماعتوں نے اپنے مفادات کے حصول کے لئے ایسے محسن پر بھی حملے شروع کر دیے جس نے ہر مشکل میں

پاکستان دشمن عناصر چین دوست نہیں ہو سکتے

پاکستان کا بے غرضی سے ساتھ دیا ہے، اور پاکستان کو سامراج کے پنجے سے چھڑانے کی کوشش کی ہے۔ جنہیر سے چاٹگام تک اس احتجاج کے بعد چین کے خلاف بیانات دینے والوں پر بعض طعن کی بارش ہوئی۔ ان کی وکالت کو بھی جماعت اسلامی سامنے آئی۔ جماعت اسلامی کے حامی ہفت روزہ "زندگی" کے پنڈی کے رپورٹر نے لکھا:

چینی سفارت خانے کی اس شکایت کے بعد یہاں بعض حلقے اس خیال کا اظہار بھی کر رہے ہیں کہ چین کو ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد پاکستانی عوام کی جو ہمہ گیر ہمدردی اور دوستی حاصل ہوئی تھی وہ تحریک بحالی جمہوریت کے دوران اسلام اور سوشلزم کی نظریاتی کشمکش شروع ہونے کے بعد اتنی پرجوش نہیں رہی اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ چینی سفارت خانے کو باقاعدہ حکومت پاکستان سے گلے شکوے کرنے کی ضرورت پیش آنے لگی ہے۔ ان حلقوں کے نزدیک اس صورت حال پیدا کرنے میں جہاں بہت بڑا حصہ چین کے ان ناعاقبت اندیش دوستوں کے بچگانہ طرز عمل کا ہے جو پاکستان میں سوشلسٹ نظام قائم کرنے کے اندھے جوش میں اسلام پسند اکثریت کے اندر سوشلسٹ ملکوں کے بارے میں نفرت پیدا کرنے کا باعث بن رہے ہیں اور خواہ مخواہ اسلامی جماعتوں کے بارے میں چین دشمنی کا غلط پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں تھوڑا بہت دخل خود چینی سفارتی عملے کی بعض غیر سفارتی سرگرمیوں کا بھی ہے۔

"چینی سفارت خانے سے ماؤزے تنگ کی تصویروں کے بیجوں کی تقسیم پر یہاں سنجیدہ حلقوں میں عرصے سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ چینی عوام اگر اپنے محبوب رہنما ماؤزے تنگ کی تصویر کو دل کے آئینے میں نقش نہیں کر سکتے یا کر سکتے ہیں اور اس کے باوجود ان کی تصویروں کے بیج اپنے سینوں پر آویزاں کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو انہیں حق پہنچتا ہے کہ وہ شوق سے ایسا کریں۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن ہزاروں کی تعداد میں ماؤزے تنگ کی تصویروں کے بیج پاکستان میں لا کر عوام اور بالخصوص نئی پود میں تقسیم کرنے اور کرانے میں آخر کیا معقولیت ہے۔ جبکہ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات بھی نہیں ہے کہ مسلمان اسلامی تعلیمات کی بنا پر کسی غیر ملکی رہنما کی تو درکنار خود اپنے محبوب قائد اعظمؒ کی تصویر کو بھی اپنے سینوں پر آویزاں کرنا اصولاً درست نہیں سمجھتے ایسی صورت میں اگر ماؤزے تنگ کی شخصیت متنازعہ فیہ بنتی ہے۔ اور کوئی شخص اشتعال میں آ کر کوئی غلط بات کہہ اٹھتا ہے تو اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟"

"ایک اور چیز جو گذشتہ سال ایوب خاں کے ہنگاموں کے دوران اہل راولپنڈی کو بری طرح کھٹکی وہ عوامی جلسوں کے دوران چینی سفارت خانے کی غیر معمولی دلچسپی تھی۔ اس زمانے میں یہ بات اکثر محسوس کی گئی کہ چینی سفارت خانے کی ایک گاڑی طلبہ اور عوام کے احتجاجی جلوسوں کے دوران ان کا جائزہ لیتی ہے۔ گول میز کانفرنس کے دوران میں جب ذوالفقار علی بھٹو راولپنڈی آئے اور ٹرک پر سوار بہت بڑے جلوس کی معیت میں "ہے جمالو" کی دھن پر رقص کناں شاہراہ پہلوی سے گزر رہے تھے تو چینی سفارت خانے کی یہ گاڑی بھی جلوس کے عقب میں چل رہی تھی۔ جسے اس روز بعض پرجوش طلبہ نے نہ صرف گھیرے میں لے لیا تھا بلکہ پاک چین دوستی اور ماؤزے تنگ زندہ باد کے نعرے لگائے گئے تھے۔ ممکن ہے کہ سب محض اتفاقات کا کرشمہ رہا ہو۔ لیکن راولپنڈی کے ہزاروں افراد نے یہ سب کچھ بچشم خود دیکھا اور خاص نوعیت کا تاثر اخذ کیا۔"

"زندگی" ۹ مارچ ۱۹۷۰ء

یہ تھا جماعت اسلامی کا انداز فکر۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ ذمہ داری بھی چینی سفارت خانے پر ڈال دی۔ اور اپنے طرز گفتار میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ ایک اور بزرگ حضرت ٹوپی فہم کا سبق ملاحظہ ہو کہ بلاوجہ چیئرمین ماؤزے تنگ کا ذکر بیچ میں لا کر انہیں کھنڈر ثابت کرنے کی کوشش۔

مسٹر بھٹو پرانے سیاست دانوں کو موہنجوڈارو کے کھنڈرات کہتے ہیں، ہم بوڑھے سہی لیکن مولانا بھاشانی اور ماؤزے تنگ کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے۔

نوابزادہ نصراللہ خان
۱۴ / اپریل ۱۹۷۰ء

۱۱ / اپریل ۱۹۷۰ء کے زندگی میں ایک روسی کتاب کے حوالے سے چیئرمین ماؤزے تنگ پر یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ چیئرمین نے اپنے بیٹے کو خود ہی مروا دیا تھا۔ چین کی اشتراکی تحریک کے ابتدائی ایام میں خونین تطہیر کے جو واقعات ہوئے اس کے اصل ذمہ دار بھی خود چیئرمین ماؤزے تنگ ہیں۔

۱۲ / مئی کو پروفیسر غلام اعظم نے ایک اور بیان دے کر چین کے خلاف نفرت پھیلانے، اور پاکستان کے داخلی معاملات میں چین کی بالواسطہ مداخلت کا افسانہ تراشا۔

"یہاں ماؤ اور لینن کے قوانین نہیں چل سکتے۔ پاکستانی عوام اسلام کے لئے جان دے سکتے ہیں۔ ایوب خاں کی متعدد غلطیوں میں بڑی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے مولانا بھاشانی کو چین کے دورے پر بھیج دیا۔ مولانا بھاشانی وہاں سے ماؤزے تنگ کے مرید بن کر آئے۔ اور پاکستان میں اپنے پیر ماؤزے تنگ کے بنائے ہوئے قوانین مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی لاٹھیوں کا جواب یہاں کے عوام بالشت سے دیں گے۔"

آخر میں ہم مولانا مودودی کی تقریر کا ایک حصہ دے رہے ہیں۔ اس میں بھی بالواسطہ طور پر الزام لگایا گیا۔ یہ کہ سوشلسٹ چین، بنگال کو آزاد کرا دے گا۔ مولانا کی وہ تقریر تو سب لوگوں کو ازبر ہو گی جس میں انھوں نے سوشلسٹوں کی زبانیں گدی سے کھینچ لینے کا حکم دیا تھا۔ اور چین پر الزام لگایا تھا کہ اس نے اپنا لٹریچر پاکستان میں تقسیم کر کے پاکستانی عوام پر کمیونزم مسلط کرنے کی کوشش کی تھی اب ایک تقریر ملاحظہ ہو:-

"ظاہر ہے پاکستان اسلام کے لئے بنا تھا نہ کو سوشلزم کے لئے۔

باقی صفحہ ۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں

طالبات کے کالجوں میں

سرکاری گرانٹ کے ہزاروں روپے خرد برد کر دیئے گئے

گذشتہ رپورٹ میں چند کالجوں میں ہونے والی بدعنوانیوں کا ذکر تھا۔ اس مرتبہ طالبات کے کالجوں میں سرکاری گرانٹ کے سلسلے میں ہونے والے گھپلے ملاحظہ فرمائیں۔

اشرف شاد

پی ای سی ایچ ایس کالج برائے خواتین نے پی ڈبلیو ڈی کے سرٹیفکیٹ کے بجائے ایک پرائیویٹ آرکیٹیکٹ کا سرٹیفکیٹ منسلک کر دیا

پی ای سی ایچ ایس کالج برائے خواتین کو ۱۹۶۵ء - ۶۶ء اور ۶۷ - ۱۹۶۶ء کے سالوں کے اخراجات کے تخمینہ کے مطابق ایک لاکھ ۴۴ ہزار ۱۰۰ روپے اور ایک لاکھ ۴۲ ہزار روپے کی دو گرانٹ ۶۷ - ۱۹۶۶ء اور ۶۸ - ۱۹۶۷ء کے سالوں کے لئے دی گئی تھیں۔ کالج نے جو اخراجات ظاہر کئے تھے ان میں دو سالوں کے دوران میں کالج کی عمارت کی مرمت کی مد میں ۱۳ ہزار ۹ سو ۲۰ روپے ۹۲ پیسے اور ۱۷ ہزار ۱۶۹ روپے ۴۳ پیسے کی دو رقمیں ظاہر کی گئی تھیں ڈائرکٹریٹ نے ۳۱ ہزار ۹۷ روپے ۶۵ پیسے کی رقم میں سے صرف ۱۲ ہزار ۵ سو روپے کی رقم کی منظوری دی لیکن اس کے لئے بھی پی ڈبلیو ڈی کا سرٹیفکیٹ طلب کیا گیا۔ جس میں کہ اس بات کی تصدیق کی گئی ہو کہ مرمت کے لئے واقعتاً یہی لاگت درکار تھی۔ لیکن کالج کی انتظامیہ نے پی ڈبلیو ڈی کے اس سرٹیفکیٹ کے بجائے ایک پرائیوٹ آرکیٹیکٹ کا سرٹیفکیٹ منسلک کر دیا جس میں ان اخراجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ قواعد کے مطابق نجی آرکیٹیکٹ کا یہ سرٹیفکیٹ اس قسم کی تصدیق کے لئے کافی نہیں سمجھا جاتا۔ اسی لئے آڈٹ نے اپنی رپورٹ میں ہدایت کی ہے کہ پی ڈبلیو ڈی کا سرٹیفکیٹ نہ ملنے کی صورت میں یہ رقم کالج سے واپس طلب کی جائے۔

اسی طرح فرنیچر کی مرمت کی مد میں ۵ ہزار ۶ سو ۷۵ روپے کی رقم ظاہر کی گئی تھی۔ قواعد کے مطابق فرنیچر کی مرمت کی رقم اس کی قیمت کے ۵ فیصد سے زائد نہیں ہونا چاہیے۔ فرنیچر کی کل مالیت انتظامیہ نے اپنے سرٹیفکیٹ میں ۹۲ ہزار ۶۵۵ روپے ۱۱ پیسے بتائی ہے جس کا ۵ فیصد ۴ ہزار ۶ سو ۳۲ روپے ۸۱ پیسے ہوتا ہے۔ تقریباً ایک ہزار روپے کا یہ خرچ بھی ضابطہ کی خلاف ورزی تھا۔ ویسے یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے کہ پی ای سی ایچ ایس کالج میں مرمت کا کام بہت ہوتا ہے۔ عمارت کی مرمت اور پھر فرنیچر کی مرمت اور وہ بھی سو دو سو کی نہیں ہزاروں روپے کی۔ غالباً اخراجات کی مد میں اضافہ کا یہ ایک سہل اور آسان اور سیدھا طریقہ ہے لیکن کالج کی انتظامیہ اس میں توازن برقرار نہ رکھ سکی جس کے نتیجے میں پکڑی گئی۔

اسلامیہ کالج برائے خواتین ناظم آباد

اسلامیہ انٹر کالج برائے خواتین ناظم آباد نے اپنی سرکاری گرانٹ میں جو بدعنوانیاں کیں ان میں اس نے خاصے پھوہڑ پن کا ثبوت دیا۔

مثلاً ۱۲ را اپریل ۱۹۶۷ء کی تاریخ میں گلاس کے بارہ ٹکڑوں کی خریداری کا خرچ شامل ہے۔ رنگ محل سے خریدے جانے والے اس گلاس کا کیش میمو نمبر ۱۱۰۷ ہے۔ اس پر ۳۰ مئی ۱۹۶۶ء کی تاریخ پڑی ہوئی تھی، لیکن یہ تاریخ کاٹ کر ۲۸ جنوری ۶۷ء کی گئی ہے۔ اسی طرح رنگ محل کے ایک اور کیش میمو، مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۶۶ء وارنش پینٹ وغیرہ کی خریداری کے سلسلے میں ۸۶۸ روپے کا داخل کیا گیا ہے جسے آڈٹ نے غلط قرار دیتے ہوئے یہ رقم واپس طلب کی ہے۔ اسی طرح کالج کی انتظامیہ نے ایک ہزار ۶ سو روپے ۹۹ پیسے کی ایک رقم کا خرچ اس نام پر ظاہر کیا ہے کہ فاؤنڈیشن کے دن عملے کو خصوصی ایوارڈ دیئے گئے تھے۔ انتظامیہ جو اساتذہ کو ہر ماہ تنخواہ دیتے وقت بھی بڑا کرب محسوس کرتی ہے۔ اس نے یہ کرم کیسے کیا ہو گا؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

کالج کے عملے کی کل تنخواہ ۴۳ ہزار ۲۰ روپے بنتی ہے۔ اس میں سے ۴۰ ہزار ۲۰ روپے کی تنخواہ جن ٹیچرز اور دوسرے عملے کو دی گئی ہے ان سے اسکول اور کالج دونوں میں کام لیا جاتا ہے اور اسکول کے اکاؤنٹ میں ان کی علیحدہ تنخواہیں بھی دکھائی گئی ہیں۔ ایسے اساتذہ کے سلسلے میں جو اسکول اور کالج دونوں جگہ کام کرتے ہیں۔ تنخواہوں کا یہ تخمینہ (جو کہ حقیقتاً اساتذہ کو نہیں دیا گیا ہو گا) گرانٹ ان ایڈ کے ضابطوں کی خلاف ورزی ہے۔ آڈٹ نے اس میں سے ایک حصہ انتظامیہ سے واپس طلب کرنے کی ہدایت کی ہے۔

خاتونِ پاکستان گرلز کالج

کالج نے ۶۶ - ۱۹۶۵ء کے اخراجات کا جو تخمینہ پیش کیا اور جس کی بنیاد پر اُسے آئندہ سالوں کے لئے مینٹیننس گرانٹ ملی۔ اس میں ستر ہزار ۲۵ روپے عملے کی تنخواہوں کے طور پر دکھائے گئے تھے۔ لیکن عملے کا جو ذاتی ٹائم ٹیبل داخل کیا گیا تھا اس کے مطابق یہ عملہ کالج کے ساتھ ساتھ ادارے کے اسکول میں بھی کام کر رہا تھا۔ لہٰذا ان کی تنخواہوں کے یہ اخراجات قاعدے کے مطابق نہیں تھے۔ اگر انتظامیہ ڈائرکٹریٹ سے اس بات کی اجازت حاصل کر بھی لیتی ہے کہ اسکول میں کام کرنے والا عملہ کالج میں بھی کام کرے گا۔ تب بھی تنخواہوں کا صرف پچاس فیصدی جو ۳۵ ہزار ۱۲ روپے

بنتا ہے ۔ عملہ کی تنخواہوں کے طور پر وصول کیا جا سکتا ہے ۔ اس طرح انتظامیہ نے قواعد و ضوابط کی صریحاً خلاف ورزی کرتے ہوئے گرانٹ وصول کرنے کے واسطے ۳۵ ہزار ۱۲۷ روپے کا خرچ غلط طور پر ظاہر کیا۔

مزید برآں کراچی ریجن کے ایجوکیشن کوڈ کے آرٹیکل نمبر ۶۵ کے مطابق جن اداروں کی ٹیوشن فیس کوڈ میں متعین کردہ حد سے زیادہ ہے انھیں مینٹیننس گرانٹ نہیں دی جا سکتی ۔ کوڈ میں فیس کی جو حد مقرر ہے وہ فرسٹ اور سیکنڈ ائیر سائنس کے لئے ۱۲ روپے ماہانہ اور فرسٹ ائیر اور سیکنڈ ائیر آرٹس کے لئے دس روپے ماہانہ ہے ۔ جب کہ کالج طلبہ سے جو فیس وصول کرتا ہے وہ ان جماعتوں کے لئے علی الترتیب ۳۰/ روپے اور ۲۵/ روپے ہے ۔ اس طرح خاتونِ پاکستان کالج مینٹیننس گرانٹ کی وصولیابی کا حقدار نہیں ہے ۔ آڈٹ نے اس بنیاد پر ہدایت کی تھی کہ کالج کو دی جانے والی ۲۱ ہزار ایک سو ۷۰ روپے کی یہ پوری گرانٹ فوری طور پر انتظامیہ سے واپس وصول کی جائے ۔ لیکن یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ڈائریکٹریٹ کو کیا اس ضابطے کا علم نہیں تھا ۔ اور آیا یہ نہیں معلوم تھا کہ کالج طلبہ سے کتنی فیس وصول کرتا ہے اگر یہ سب کچھ معلوم تھا تو پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے سرکاری امداد اس طرح کیوں لٹا دی ۔ یہ ایک اور سوال ہے جو امید ہے پہلے بہت سے سوالوں کی طرح تشنہ جواب ہی رہے گا ۔

سر سید گرلز کالج

۶۵-۱۹۶۴ء کی آڈٹ رپورٹ کے مطابق سر سید کالج کو ایک ہزار ۴۲۹ روپے کی زیادہ ادائیگی ہو گئی تھی جس کو واپس کرنے کی ہدایت کی گئی تھی ۔ لیکن ۶۸-۱۹۶۷ء کی آڈٹ رپورٹ کے مطابق اس وقت تک اس ہدایت پر عمل نہیں ہو سکا تھا ۔ اسی طرح ۶۶-۱۹۶۵ء کی آڈٹ رپورٹ کے مطابق ۷۷/۹ اور ۲۹/۵۶۲ روپے کے خلاف قواعد اخراجات کی رقم آڈٹ کی ہدایت کے باوجود واپس نہیں کی گئی ۔ ۶۷-۱۹۶۶ء اور ۶۸-۱۹۶۷ء کے سالوں کے دوران میں آڈٹ نے ۲۵۸/۱۷ روپے کی رقم کے اخراجات کو گرانٹ کے قواعد کی خلاف ورزی کے مترادف قرار دیا تھا۔

اس میں قائم مقام پرنسپل کی حیثیت سے یکم جون ۱۹۶۵ء تا ۳۱ ستمبر ۱۹۶۵ء تک مسز آمنہ کمال کا کرایہ مکان کا خرچ بھی شامل تھا جو ۵۰ روپے ماہانہ کے حساب سے کل ۶/۶/۱۷۰ روپے وصول کیا گیا تھا۔

سر سید کالج کی انتظامیہ کے بارے میں آڈٹ کی رپورٹ نے پراویڈنٹ فنڈ کے سلسلے میں ایک سنگین بد عنوانی کا انکشاف کیا ہے ۔ اس انکشاف کے مطابق ۶۷-۱۹۶۶ء کی گرانٹ کی منظوری کے لئے کالج نے اس سے گزشتہ سال کے آمد اور خرچ کا جو گوشوارہ پیش کیا تھا اس میں ۱۷ ہزار ۳ سو سات روپے کی رقم پراویڈنٹ فنڈ میں انتظامیہ کے حِصّے کے طور پر ڈیپازٹ میں ظاہر کی گئی تھی لیکن آڈٹ کے سامنے جو بنک اکاؤنٹ پیش کئے گئے ان سے یہ راز افشا ہوا کہ درحقیقت یہ رقم ۱۸ جنوری ۱۹۶۷ء کو بنک میں جمع کرائی گئی تھی ۔ آڈٹ نے اس کو ایک سنگین بد عنوانی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ڈائریکٹریٹ نے کالج کو گرانٹ دیتے وقت اس بد عنوانی کا سراغ نہیں لگایا اور اس خرچ کے عوض جو درحقیقت اس وقت ہوا نہ تھا ۔ کالج کو ایک بڑی رقم ادا کر دی گئی ۔ جو ایک سنگین بد عنوانی کے مترادف ہے۔

ان کالجوں کے علاوہ خورشید گرلز کالج ، رونقِ اسلام گرلز کالج ، کراچی کالج برائے خواتین ، مسلم انٹر گرلز کالج برائے خواتین وغیرہ میں بھی اسی طرح گھپلے کئے گئے ہیں ۔ گھپلوں کی نوعیت اور طریقۂ کار کہیں کہیں جدا ہیں اور کہیں ایک ہیں ۔ لیکن مقصد سب کا ایک ہے کہ کسی نہ کسی طرح آنکھوں میں دھول جھونک کر سرکاری امداد بٹوری جائے ۔ اور پھر من مانے کھاتوں میں ان کے اخراجات درج کر کے اپنی تجوریوں کے حجم بڑھائے جائیں ۔ اس سارے کام میں ڈائریکٹریٹ کیا کردار ادا کر رہا ہے اس کا تذکرہ ہو چکا ہے ۔

ان تمام کالجوں کی ان مختصر مختصر بد عنوانیوں کے بعد اب آئندہ سرکاری امداد کے سلسلے میں اپوا کالج ، اسلامیہ کالج اور ایس ایم کالج کی ان سنگین بد عنوانیوں کے انکشافات کئے جائیں گے ۔ حیرت یہ ہے کہ یہ گھپلے دو تین سال پرانے ہیں ۔ ان کے ثبوت بھی فراہم ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ ادارے سرکاری امداد سے آج بھی پہلے کی طرح بہرہ ور ہو رہے ہیں ۔

میں اِک ہپّی لڑکی

شہلا

میں کہ اِک بے سروساماں مسافر کی طرح
اِس بھرے شہر میں انجان ، اکیلی ، تنہا
نہ کوئی دوست نہ ساتھی نہ شناسا نہ رفیق
نہ کوئی ہمدم و ہمراز و مہرباں و شفیق
نہ کوئی جھوٹ نہ دھوکا نہ خوشی اور نہ غم
نہ کوئی مال و متاع اور نہ کوئی جاہ و حشم
نہ کوئی رسم و روایت نہ کوئی گھر نہ مکاں
نہ کوئی بستر و تکیہ نہ طرب کے ساماں
نہ کوئی مسجد و مندر نہ کلیسا ، گرجا
نہ کوئی دین نہ مذہب نہ کوئی بُت نہ خُدا
نہ کوئی عظمت و شہرت نہ کوئی علم ہنر
نہ کوئی منزلِ مقصود ، فقط راہ گزر

پھر بھی آدم کی جواں سال ، حسین لڑکی ہوں
اور پہلو میں دھڑکتا ہوا دِل رکھتی ہوں
یوں نہ مڑ جاؤ مجھے دیکھ کے دُنیا والو
کوئی پیسہ نہ سہی ، میٹھی نظر ہی دے دو
سانس اک جرم ہے ، کفارہ ادا کرنا ہے
ہوش آ جانے سے پہلے ہی نشہ کرنا ہے

ایسٹرن فارمیسوٹیکل لیبارٹریز کی خواتین کارکنوں کو اغوا کرنے کی دھمکی

فیکٹری کی انتظامیہ نے معاہدے کی دھجیاں اڑادیں

ڈاکٹر شمیم زین الدین



چند سال پیشتر کراچی کے ایک علاقہ کھٹائی کمپاؤنڈ میں ایک چھوٹی سی کمپنی ایسٹرن فارمیسوٹیکل لیبارٹریز کی بنیاد رکھی گئی۔ کمپنی کے مالک نے ملازمین سے کہا: "اس وقت ہمارے پاس وسائل کی کمی ہے۔ لیکن مجھے آپ لوگوں کی محنت اور دیانت پر اعتماد ہے۔ کمپنی پھلے پھولے گی تو اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے۔ آج آپ لوگوں کو جو سہولتیں میسر نہیں ہیں وہ کل حاصل ہوں گی۔ یہ کمپنی آپ کی ہے۔ میں آپ لوگوں کے حقوق کی ضمانت دیتا ہوں۔"

کمپنی کے ملازمین نے ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی کمپنی کے مالک کی چکنی چپڑی باتوں پر اعتماد کیا اور اپنی محنت کے پھول کھلانے شروع کر دیئے۔ چھوٹی سی کمپنی محنت کشوں کی محنت اور انتھک جد و جہد کے سہارے اپنے ہاتھ پاؤں پھیلانے لگی۔ ملازمین نے چھٹیاں لینی بند کر دیں۔ اتوار کے دن بھی کام ہوتا۔ کام کے کوئی اوقات نہ تھے۔ لازمی چھٹیاں ختم کر دی گئیں۔ یہاں تک کہ ۱۴ اگست اور قائد اعظم کی پیدائش کے دن بھی کام ہوتا۔ محنت کشوں کے ہاتھ مسلسل حرکت میں رہتے اور مشینوں کے دل دھڑکتے رہتے تھے۔

کھٹائی کمپاؤنڈ کی چھوٹی سی کمپنی "ایسٹرن فارمیسوٹیکل لیبارٹریز" دیکھتے دیکھتے ایک بڑی کمپنی میں ڈھل گئی۔ وسائل میں اضافہ ہوا۔ آمدنی میں اضافہ ہوا۔ جگہ کی کمی محسوس کی گئی اور پھر اس کمپنی کو کھٹائی کمپاؤنڈ سے سائٹ ایریا میں منتقل کر دیا گیا۔ چھوٹی سی کمپنی اب ایک بڑی فیکٹری بن چکی تھی۔ ادھر محنت کشوں کو رات دن کی محنت کے پھل ملنے والے تھے۔ وہ وقت آن پہنچا تھا جس کا وعدہ کمپنی کے مالک نے کیا تھا۔ سالہا سال کی کڑی محنت سے مرجھا گئے ہوئے چہروں پر امید کی کرن ناچ رہی تھی۔ ایک بہتر اور خوشگوار مستقبل کا خواب پورا ہونے والا تھا۔ کمپنی کے ملازمین دیکھ رہے تھے کہ کمپنی کے مالک جو پہلے ایک چھوٹے سے گھر میں رہتے تھے اب سوسائٹی کے شاندار بنگلے کے ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں سکھ کا سانس لے رہے ہیں۔

کمپنی کے ملازمین نے جب فیکٹری کے مالک سے اپنے بنیادی حقوق کا مطالبہ کیا تو انتظامیہ کی طرف سے جواب ملا "کیسی سہولتیں اور کیسے حقوق۔ تمھیں جو کچھ دیا گیا وہ بہت زیادہ ہے مزید حقوق کی طلبی غیر قانونی ہے۔ اگر تم لوگوں نے اپنا منہ بند نہ کیا تو تمہارے ہونٹ سی دیئے جائیں گے اور حقوق طلب کرنے والی زبان کاٹ ڈالی جائے گی۔"

فیکٹری کی انتظامیہ کا جواب سن کر رات دن کولہو کے بیل کی طرح کھٹنے والے محنت کشوں کے دل مایوسی میں ڈوب گئے۔ چہروں پر ناچنے والی امید کی کرن کہیں گم ہو گئی۔ وہ اپنی محنت کا سارا سرمایہ لٹانے کے بعد بھی خالی ہاتھ رہے۔ اس شدید مایوسی اور پریشانی کے عالم میں کچھ لوگوں نے امید کی نئی راہ دکھائی اور یونین بنانے کا مشورہ دیا۔ کہا گیا "یونین کے ذریعہ مزدوروں کو مسائل پر اکٹھا کیا جا سکتا ہے۔ یونین محنت کشوں کی مشترکہ جد و جہد، اتحاد اور یک جہتی کا نام ہے۔ اس کے بغیر فیکٹری کے مالک سے کوئی مطالبہ نہیں منوایا جا سکتا۔" یونین کا نام سن کر ملازمین کا کچھ حوصلہ بلند ہوا اور انھوں نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد ۱۹۶۸ء میں ایک باقاعدہ یونین کی بنیاد ڈالی۔ اس کے فوراً بعد فیکٹری کی انتظامی مشینری حرکت میں آگئی اور سرگرم کارکنوں سے انتقام لینے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ لیکن فیکٹری کے ملازمین نے اپنی جد و جہد ترک نہ کی اور وہ برابر آگے بڑھتے رہے۔ محنت کشوں کے اتحاد اور یک جہتی نے انتظامیہ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ اور بالآخر ۲ رجنوری ۱۹۷۰ء میں یونین اور انتظامیہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا۔ جس کے تحت ملازمین سے تحریری وعدہ کیا گیا کہ



مزدور اپنی محنت کا سارا سرمایہ لٹانے کے بعد بھی خالی ہاتھ رہے

۱- ۱۷ رجنوری ۱۹۷۰ء سے ملازمین کے لئے ایک نیا اسکیل نافذ کیا جائے گا۔

۲- ملازمین کے لئے فیئر پرائس شاپ کھولا جائے گا۔

۳- یونین کی سرگرمیوں پر کوئی پابندی نہیں لگائی جائے گی۔

۴- کینٹین سے متعلق معاہدے پر عمل درآمد کیا جائے گا۔

۵- ملازمین کو وردیاں، تولیہ اور صابن فراہم کیا جائے گا۔

۶- قرض کے لئے پانچ ہزار کی رقم مہیا کی جائے گی۔

۷- نئے ملازمین کو ڈبل اوور ٹائم اور پرانے ملازمین کو اوور ٹائم ان کی اصل تنخواہ کے مطابق دیا جائے گا۔

۸- خاتون ملازمین کی آمد و رفت کے لئے بس کی سہولت فراہم کی جائے گی اور مزدوروں کو آمد و رفت کا کرایہ دیا جائے گا۔

۹- نئے ملازمین کو کم سے کم ۱۴۰/- روپے تنخواہ دی جائے گی۔

معاہدے کی سیاہی ابھی خشک بھی نہ ہوئی تھی کہ خلاف ورزیاں شروع ہو گئیں۔ انتظامیہ نے ان میں کسی ایک مطالبہ کو پورا نہ کیا۔ یونین نے جب معاہدے پر عمل درآمد کے لئے زور دینا شروع کیا تو یونین کے عہدے داروں سمیت چار سرگرم کارکنوں کو ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ یونین نے پر امن طریقے سے برطرف شدہ ملازمین کو دوبارہ بحال کرانے کی جد و جہد کی مگر انتظامیہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہی۔ مجبوراً یونین کی جانب سے ہڑتال کا نوٹس دیا گیا۔ اس دوران فیکٹری کی انتظامیہ نے شہر کے ایک ہسٹری شیٹر اور بدنام ترین شخص کے آدمیوں کو بھرتی کرنا شروع کر دیا تاکہ ہڑتال کے دوران فیکٹری کی مشینیں چلتی رہیں۔ یونین نے اس مسئلے کو گفت و شنید سے حل کرانے کی کوشش کی اور ہڑتال سے گریز کیا۔ کیونکہ ہڑتال ہونے کی صورت میں انتظامیہ کی جانب سے بڑے پیمانے پر غنڈہ گردی کا خطرہ تھا۔ لیکن کمپنی کے مالکان نے اس کے جواب میں معقولیت پسندی کا ثبوت نہ دیا۔ اور یونین کے جنرل سکریٹری اظہر علی اور چار سرگرم خاتون کارکنوں کو بے بنیاد الزامات لگا کر ملازمت سے علیحدہ کر دیا۔ ملازمین نے ہمت نہ ہاری اور وہ اپنے اصول پر ڈٹے رہے۔ ملازمین

باقی صفحہ ۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں

شنگھائی

ڈرامہ "شنگھائی کی عورتیں" دنیا کی بہترین تحریروں میں سے
کے مظالم کی کہانی ڈرامہ کے قالب میں ڈھالی ہے - ادارہ اس



کردار

دان

ترجمان

پہلی عورت —— جس نے پڑھنا سیکھا

دوسری عورت —— جس نے پیکنگ تک پیدل سفر کیا

تیسری عورت —— جس نے جُوتے کی پالش بنانا سیکھا

چوتھی عورت —— جس نے اپنے پَیر بندھوائے تھے

پانچویں عورت —— نشانہ لگانے والی ماہر خاتون - ماہر نشانہ باز

چھٹی عورت —— جو شنگھائی میں طوائف تھی

ساتویں عورت —— جس نے سور کا شکار کھیلا

آٹھویں عورت —— جو ۹ بچّوں سے محروم ہو گئی

نویں عورت —— جس نے ایک غلام سے شادی کی جو چور تھا

دسویں عورت —— ایک شہزادے کی نرس - انّا

گیارھویں عورت —— جس نے جاپانیوں کو بیوقوف بنایا

بارھویں عورت —— جس نے مرغی کے بچوں کو رہا کر دیا

تیرھویں عورت —— جسے اپنے شوہر سے بیحد محبت تھی

چودھویں عورت —— جسے کرسی سے باندھ کر اذیتیں دی گئیں

پہلا ایکٹ

(دان بیٹھا ہُوا ہے - اس پر تیز روشنی پڑ رہی ہے - پُشت پر اندھیرا ہے)

دان : اگر میرے اعصاب جواب دیتے نظر آئیں تو مجھے معاف کر دیجیے گا . تخریبی کارروائی کے الزام میں ۹ ماہ سے اُنہوں نے مجھے یہاں قید کر رکھا ہے - جی نہیں میں جیل میں قید نہیں ہُوں - میں ایک سیاح کی حیثیت سے اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں رہتا ہوں - بس کہیں آنے جانے کی اجازت نہیں ہے - جب تک الزامات کی اچھی طرح چھان بین نہ ہو جائے - مجھے اسی حالت میں رہنا ہوگا - ہُنہ ! جیسے وہ اس معاملہ کی تہہ تک جا ہی پہنچیں گے - میرے - تُمہیں کے ، شاید آپ کے معاملے کو سلجھا ہی تو لیں گے - خیر اس پر مسکرانے کی ضرورت نہیں ہے - یہ اتنا آسان نہیں ہے ، جتنا آپ سمجھتے ہیں - یہ ایسا ہی ہے : جیسے تجدید مُلاقات کی تقریب میں شرکت کرنا - فضا میں تلخیاں گھلی ہُوئی ہیں - ہر ایک کی زبان پر نازیبا کلمات ہیں - اچانک آپ گھٹنوں کے بل جُھک جاتے ہیں - اپنی پتلون کی کریز کی پرواہ بھی نہیں کرتے -

ایک مقید رُوح جو آزاد ہونے کے لئے پھڑپھڑا رہی ہے - اُسے گہرا صدمہ ہے - آپ کی سمجھ میں اتنی آسانی سے یہ بات نہیں آئے گی - میں آپ کو بہت کچھ بتا سکتا ہُوں ، لیکن تھیٹر کے مالک کا سخت حکم ہے کہ میں اپنے پارٹ سے اِدھر اُدھر نہ بھٹکوں اس کا کہنا ہے کہ وہ تھیٹر کو سیاسی پروپیگنڈہ کا ذریعہ بنانا نہیں چاہتا - لیکن کیا کیا جائے خاموش رہنا بھی سخت عذاب ہے - ایسی حالت میں جب کہ آپ کے جُوتوں میں شیشے کی کرچیں بھر گئی ہوں ، خاموش کیسے رہا جا سکتا ہے -

●

پُورا اسٹیج تیزی کے ساتھ روشن ہو جاتا ہے . سنہ ۱۹۶۵ء کا زمانہ ہے - یہ شنگھائی کے ایک کپڑے کے کارخانہ میں ایک نرسری اسکول ہے - اسٹیج کے وسط میں بہت بڑے نصف دائرے کے اندر بچّوں کی چھوٹی چھوٹی کرسیاں بچھی ہیں - دیواروں پر ماؤ اور لینن کی تصویریں اور سُرخ چینی زبان میں نعرے نظر آتے ہیں - بچّوں کی بنائی ہوئی کارخانوں کی تصویریں - محنت کش کسان جو کہیں فصل کاٹتے نظر آتے ہیں اور کہیں اپنی درانتیوں سے مسلّح امریکیوں پر حملے کرتے دکھائی دیتے ہیں - کرسیوں

...ی عورتیں

مصنف : تورے زیتر ہوم

ترجمہ

جمیل الدین عالی
افضل صدیقی

...ے۔ مصنف نے آزادی سے قبل چین کے جاگیردارانہ دَور
...رامے کو بالاقساط شائع کریگا ———— (۱)

کے آگے کارخانوں کی کوئی بیس عورتیں کھڑی ہُوتی ہیں۔ ان کی عمریں مختلف ہیں لیکن لباس ایک سا ہے۔ وہ نیلی پتلونیں اور چھوٹے بلاوز پہنے ہُوئے ہیں۔ اُن کے سر کے بال بہت چھوٹے ہیں۔ البتہ کم عمر عورتوں نے چھوٹی چٹیا باندھ رکھی ہے۔ مسکراتے ہُوتے وہ دان کی طرف رُخ کرتی ہیں اور پھر تالیوں سے اُس کا خیر مقدم کرتی ہیں۔ پہلی عورت بڑی عُمر کی ہے اور اُس کے بالوں میں سفیدی ہے۔ پھر سب عورتیں حرکت میں آتی ہیں اور نہایت مسرت اور جوش و خروش سے ایک تال اور سُر میں گیت گانے لگتی ہیں۔

عورتوں کا گیت

هم ہیں سادہ دل اور سیدھی سادی عورتیں
شنگھائی کے کپڑے کے کارخانے میں کام کرنے والی عورتیں
شنگھائی جو فولاد کا مرکز ہے۔ یہاں ہمارے گھر ہیں
سالہا سال تک ہم نے ذلّت اور رُسوائی برداشت کی ہے
ہم سب کے دِلوں میں اس دَور کی بڑی تلخ یادیں ہیں
ہم نے بچّوں کو بھُوک سے مرتے دیکھا ہے
ہماری پیٹھ پر ناسور ہیں، زخم ہیں
لیکن ہماری پارٹی نے ہمارے غُصّے کو عمل میں ڈھال دیا
اور
فوج نے ہماری آس بندھائی
مِنشان کی فروزاں چوٹیوں پر ہم نے
ماؤ کا سُورج طلوع ہوتے دیکھا ہے

دان گیت سُن کر تالیاں بجاتا ہے اور عورتیں بھی جواب میں تالیاں بجانے لگتی ہیں۔ وہ حاضرین کو طنزیہ نظروں سے دیکھتا ہے جن سے وہ مستقل طور پر رابطہ قائم رکھے گا۔ عورتیں اور دان ایک دوسرے کا مفہوم ایک ترجمان کی وساطت سے سمجھتے ہیں۔ جب یہ عورتیں آپس میں باتیں کرتی ہیں تو دان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ جب دان حاضرین کی طرف رُخ کرکے اُن سے مخاطب ہوتا ہے تو عورتیں نہیں سمجھ پاتیں۔



پہلی عورت : (ترجمان سے مخاطب ہوکر) ہمیں اپنے دوست کو یہاں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہمارے عوام کا دوست ہے۔

(عورتیں پھر تالیاں بجاتی ہیں)

دان : (تعظیماً جُھک کر) میں بہت ہی معمولی خدمات انجام دے سکا ہوں۔ آپ خود اچھّی طرح سمجھتی ہوں گی (ترجمان سے مخاطب ہوکر) انھیں بتاؤ کہ اِن کا گیت مجھے بہت پسند آیا۔

(حاضرین سے) یہ گیت کِس نے لکھا ہے۔ یقیناً وہ عظیم شاعر ہوگا

(عورتیں اسکول کی بچیوں کی طرح ہنسنے لگتی ہیں)

چھٹی عورت : موسیقار نے یہ گیت خود لِکھّا ہے۔

ترجمان : (پہلی عورت کی طرف اشارہ کرکے) یہ گیت اس نے لِکھا ہے

دان : (متاثر ہوکر) تم کیوں نہیں بولتیں۔

تیسری عورت : بڑی بوڑھیوں میں وہ واحد خاتون ہے جو لِکھ سکتی ہے

دان : (غرور اور فخر سے) اوہ!

چھٹی عورت : میں نے بھی اسی وقت سیکھا تھا جب مجھے دوبارہ تعلیم دی گئی۔ لیکن اب میں بہت کچھ بھُول گئی ہُوں۔

دان : دوبارہ تعلیم، کیا مطلب؟

ترجمان : یہ طوائف تھی

دان : (حیران ہوکر) اوہ! میں سمجھا۔ بہت دُشواری پیش آتی ہو گی۔ اسے سکھانا بہت مشکل کام ہے۔ تمھارے ٹائپ رائٹر جس قسم کے مِلتے ہیں، انھیں دیکھ کر مجھے تو حیرانی ہوتی ہے۔

ترجمان : یہ بہت بڑے ٹائپ رائٹر ہیں۔

پہلی عورت : میرا باپ صُوبہ ہونان میں کسان تھا۔ اس کے خاندان میں کوئی بھی لِکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُس کا بیٹا پڑھ لکھ جائے، تاکہ سرکاری افسر بننے کی کوشش کر سکے۔ میرے باپ نے سخت محنت کی تاکہ میرے بھائی کے لئے اُستاد کی تنخواہ ادا کر سکے۔ چار سال بعد میرا بھائی تین ہزار الفاظ اور علامتیں سیکھ گیا۔ ہم سب کو اس پر بڑا فخر تھا۔ جب جاپانی ہمارے گاؤں میں آئے تو وہ میرے بھائی کو پکڑ کر لے گئے۔ اور اُسے مجبُور کیا کہ وہ اُن کی درخواستیں اور بیانات لکھے۔ لیکن اُسے اتنی اذیتیں دی

باقی صفحہ ۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں

لاہور میں داتا صاحبؒ کی تصنیف "کشف المحجوب" کا ایک نیا ترجمہ شائع کیا گیا ہے۔ مترجم، جماعت اسلامی کے قائم مقام امیر میاں طفیل محمد ہیں۔ موصوف نے کتاب کے اصل بیان میں جو تحریف و ترمیم اور اپنی طرف سے جو عبارت آرائی کی ہے، اس پر لاہور کے ایک ثقافتی اخبار میں دائیں بازو کے ایک کالم نویس نے انہیں خاصہ رگیدا ہے اور اس ترجمے کو امانت میں خیانت قرار دیا ہے۔ ادارہ اس کالم کو من وعن شائع کر رہا ہے۔ آئندہ کی اشاعت میں بتایا جائے گا کہ کشف المحجوب میں کہاں کہاں سے کتر بیونت اور کاٹ چھانٹ کی گئی ہے۔ تاکہ جماعت اسلامی کے قائم مقام امیر کی ناپاک جسارت سے قارئین کرام کو آگاہ کیا جا سکے ——— (ادارہ)

یہ ترجمہ ہے یا دخل در معقولات

میاں طفیل کی بددیانتی انتظار حسین کی چیخ اور داتا گنج بخش کی امانت

انتظار حسین

اب کے برس داتا صاحبؒ کے عرس سے ہم آئے تھے کہ ایک بزرگ نے دو ٹوک سوال کیا کہ عرس میں آئے ہو مگر کبھی "کشف المحجوب" بھی پڑھی ہے۔ ہم نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ اس طرح نہیں پڑھی جس طرح پڑھنے کا حق ہے۔

وہ بزرگ ہم پر مہربان تھے بولے کہ لو تمہیں ہم کشف المحجوب کا ایک ترجمہ دیتے ہیں اسے ذرا پڑھنا اور انصاف کرنا۔

اس ترجمہ کو ہم نے پڑھنا شروع کیا تو ہماری آنکھیں کھل گئیں۔ ہمارے زمانے میں مترجموں میں ایک نیا رجحان یہ پیدا ہوا ہے کہ وہ دخل در معقولات کرتے ہیں۔ مصنف کے بیان کا ترجمہ کرنے پر قناعت نہیں کرتے بلکہ بیچ بیچ میں بولتے جاتے ہیں۔ خواہ غلط ہی بولیں۔ مگر یہ ہمارے گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ سلوک داتا صاحب سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

ہیں۔ دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"میں نے پوری کوشش کی ہے کہ مصنف بزرگوار کی استفادۂ عام کی کوئی بات رہ نہ جائے۔ اور نہ کوئی بات اپنے اصل مفہوم سے ہٹنے پائے۔ البتہ خاص فلسفیانہ بحثوں اور مسائل کی صوفیانہ توجیہات کو میں نے چھوڑ دیا ہے جو پرانے اسلوب نگارش کا حصہ تو ہیں لیکن اصل مضمون اور مقصود بیان سے ان کا کوئی خاص تعلق نہیں۔ ان کے بجائے تین چیزوں کا میں نے اضافہ کیا ہے۔ ایک یہ کہ ان آیات اور حتی الامکان احادیث کے بھی حوالے دیدیئے ہیں جن کو حضرت علی ہجویریؒ نے اپنی بات کے ثبوت اور وضاحت میں پیش فرمایا ہے۔ دوسرے جہاں مجھے ان آیات و احادیث اور اقوال کے علاوہ اسی مضمون کی کوئی اور آیت

کچھ باتیں کہی ہیں۔ میاں طفیل محمد صاحب نے اس پورے بیان میں اس طور کتر بیونت کی ہے کہ انتخاب کا تذکرہ یکسر غائب ہو گیا۔ مگر جو باتیں انھوں نے کہی ہیں وہ تو سب استخارے کی بحث میں کہی ہیں۔ اس لئے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس پورے بیان کے ساتھ میاں طفیل محمد صاحب کو کیا سلوک کرنا پڑا ہوگا۔

کشف المحجوب کے مختلف مباحث میں میاں طفیل محمد صاحب نے داتا صاحبؒ کے بیان کو ناکافی سمجھا اور اپنی طرف سے اس میں اضافے کئے مگر ایسے بیان بھی ہیں جنہیں انہوں نے کافی سے زیادہ سمجھا اور اس میں تخفیف کرتے چلے گئے۔ مثلاً جس بیان میں ایک حدیث درج کی گئی ہے،

> **میاں طفیل محمد اگر چاہتے تو اس کتاب کے مطالعہ سے چپ رہنے اور بولنے کے آداب سیکھ سکتے تھے**

ہم یہ ترجمہ پڑھتے جاتے تھے اور سوچتے جاتے تھے کہ یا اللہ ہم نے کشف المحجوب آگے بھی پڑھی ہے۔ بیان بدلا بدلا کیوں ہے۔ وہ بصیرت افروز باتیں جو ہم نے آگے اس باب میں پڑھی تھیں وہ کہاں گئیں۔ اور یہ نئے نئے بیان اس میں کب اور کیسے شامل ہو گئے۔

جب ہم نے اس ترجمہ کا دیباچہ پڑھا تب یہ حقیقت حال روشن ہوئی۔ مترجم میاں طفیل محمد

حدیث یا قول ملے ہیں تو انھیں بھی میں نے شامل کر دیا ہے تاکہ اصل مضمون زیادہ سے زیادہ خوبی اور مضبوط دلائل کے ساتھ ادا ہو جائے۔"

اب اس بیان کی روشنی میں میاں طفیل محمد صاحب کی مینا کاری کی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔ شروع کتاب میں داتا صاحبؒ نے بتایا ہے کہ انھوں نے استخارہ کیا اور اس کے بعد اس کتاب کا آغاز کیا۔ پھر انہوں نے استخارے کے باب میں

اس میں دو تین اور احادیث درج کر دی گئیں اور اپنی طرف سے کچھ عبارت بھی شامل کر دی گئی مگر کسی بیان میں اگر چار حدیثیں درج نظر آئیں تو اس میں سے تین حذف کر دیں۔ اور ایک رہنے دی۔ مثلاً ایک باب میں جو چپ رہنے اور بولنے کے آداب سے متعلق ہے میاں طفیل محمد صاحب احادیث کو اور مختلف صوفیا کے اقوال کو جو اس میں درج تھے حذف کرتے چلے گئے ہیں۔ اور داتا صاحبؒ کے بیان میں بھی اچھا خاصا تغیر و تبدل کیا ہے۔ حالانکہ یہ ایسا باب ہے کہ خود میاں طفیل محمد اس کے مطالعہ سے چپ رہنے اور بولنے کے بہت سے قیمتی آداب سیکھ سکتے تھے۔

اسی باب میں داتا صاحبؒ نے یہ فرما رکھا ہے کہ "مرید کو چاہیئے کہ رہنماؤں کے کلام میں دخل نہ دے۔ اور اس میں کچھ تصرف نہ کرے۔ اور پریشان اور اوپری عبارت استعمال نہ کرے"؟ میاں طفیل محمد صاحب نے کم از کم اس بیان کو حذف نہیں کیا ہے مگر اس پر دھیان بھی نہیں دیا۔ انھوں نے شیخ علی ہجویریؒ کے کلام میں دخل بھی دیا ہے۔ اور اس میں تصرف بھی کیا۔ اور اس میں پریشان اور اوپری عبارت بھی داخل کی ہے۔

پس زیر بحث ترجمہ کا متن مترجم کی اس روش کے باعث ناقابل اعتبار ہو گیا ہے۔ اس میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ کتنی بات داتا صاحبؒ نے کہی ہے اور کتنی بات اس میں میاں صاحب نے شامل کر دی ہے۔ اپنی طرف سے تو میاں صاحب نے داتا صاحبؒ پر احسان ہی کیا ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں داتا صاحبؒ جا بجا مضمون کو خوبی اور مضبوط دلائل کے ساتھ ادا نہیں کر سکے ہیں پس انہوں نے داتا صاحبؒ کو سہارا دیا ہے۔ اور ان کے کمزور بیان کو مضبوط بنایا ہے۔ میاں طفیل محمد صاحب کو یہ زعم مبارک رہے۔ مگر پڑھے لکھے آدمی ہو کر انہیں اتنی معمولی بات تو معلوم ہونی چاہیئے کہ کسی مصنف کے بیان پر اگر کوئی اعتراض مقصود ہو یا اس میں تصحیح یا اضافے کی ضرورت محسوس کی جائے تو وہ حاشیے میں کی جاتی ہے۔ مصنف کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جاتا جو سکول ماسٹر طلبا کی کاپیوں کے ساتھ کرتا ہے۔ کہ اس کی عبارت میں کاٹ پیٹ کرتے چلے گئے۔ جہاں جی چاہا فقرہ کاٹ دیا۔ جہاں جی چاہا فقرے اضافہ کر دیئے۔ علمی دنیا میں اسے امانت میں خیانت کہتے ہیں۔

بارے اونٹوں کا کچھ بیاں ہو جائے

عتیق احمد

تمام جسمانی ناہمواریوں، ڈھلوانوں اور چڑھائیوں کے باوجود جملہ اسباب سواریوں میں سے ہمیں اونٹ سب سے پیارا جانور لگتا ہے۔ وجوہات ہماری اس پسند کی کچھ خفی اور کچھ جلی گویا ملی جلی سی ہیں، اپنے دل کی بات آپ سے کہتے ہیں کہ عزیز موصوف کو ان گوناگوں خصوصیات کو دیکھتے ہوئے ہمیں اپنے ان بزرگوں پر بہت غصہ آتا ہے جو محض کسی جلاپے کی ضد میں اس مرنجاں مرنج مخلوق سے "داڑھ میں زیرہ" "تیری کونسی کل سیدھی" اور "دیکھئے کس کروٹ بیٹھتا ہے" قسم کی کہاوتیں منسوب چھوڑ گئے ہیں۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے کہ جن دنوں یہ بزرگ زندہ تھے تو محکمۂ انسدادِ بیرحمی حیوانات نہیں تھا اور اب کہ یہ محکمہ وجود میں آیا ہے تو وہ بزرگ نہیں رہے۔ خیر، داورِ محشر کے یہاں کا انصاف تو باقی ہے۔ وہاں دیکھا جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اپنے اس پیار کی مناسبت سے ہمیں ہر وہ چیز عزیز خاطر ہے کہ جس میں ناہمواریاں اور ایچ پیچ مثل اس عزیز ممدوح کے پائے جاتے ہوں۔ چنانچہ دائرہ اپنی پسند کا بھی ہم نے اس عزیز کے جُثّہ کی رعایت سے خاصا وسیع رکھا ہے اور اللہ جانتا ہے کہ کبھی مقامی یا دساوری نال کی قید یا تخصیص روا نہیں رکھی کہ عزیز کی کبیدہ خاطری کا سبب ہو اور روزِ حشر ان سے سوال و جواب میں تُو تکار تک نوبت پہنچے۔

عزیز مذکور سے جس معاندانہ رویہ کی شکایت ہمیں اپنے بزرگوں سے ہے کم و بیش ویسی شکایات بعد کے لوگوں سے بھی ہیں جنھوں نے محض اگلوں کے لکھے پر اس غریب اور بردبار قسم کی مخلوق پر اتہام تراشی اور بہتان بازی کا وہ دفتر کھولا ہے کہ اب شہر کے غنڈے اور لفنگے تک اپنے جرائم کی صفائی میں "شہر میں اونٹ بدنام" قسم کی یاوہ گوئی کر کے اس عزیز کی نیک نامی کو بٹّہ لگاتے ہیں۔ افسوس اس پر اور بھی ہے کہ لوگ ہر بُرائی اور پیچیدگی کے موقع پر اس ہی بچارے کو پیش از پیش رکھتے ہیں اور ان کے اپنے اردگرد جو بے شمار اونٹ بکھرے پڑے ہیں وہ گویا ان کے لئے کسی پریزاد کے باغ کی تکتی والی چڑیاں ہیں کہ دل بہلانے کے لئے ان کی پرورش کئے جا رہے ہیں۔ تو آیئے لگے ہاتھوں ایسے ہی دو چار اونٹوں کا کچھ بیان ہو جائے۔

ایک اونٹ ہماری پسندہ برانڈ سیاست کی اقتدار پسندی کا ہے۔ اور ایک شتر بچہ اس سیاست کی دانشوری کا ہے کہ جو اپنے اس دودھ پلانے والے محسن کی اذیّت ناک کروٹوں بسلسلۂ تخت نشینی کو دیکھتا ہے اور خود بھی مثل اپنے بزرگوں کے بلبلانے اور گریہ وزاری کرنے کی فلمی ریں ریں، ہیں ہیں' کا مظاہرہ کرتا رہتا ہے۔ وہ دن یاد کیجئے کہ اونٹ ایک ایسا ہی اقتدار پسندی کا جب ہمارے مشرقی پاکستان سے اٹھا تھا تو دیکھتے ہی دیکھتے کیسے کیسے شتر ہائے بے مہار مغربی پاکستان سے بھی مشرقی پاکستان کو روزانہ "ایئر لفٹ" کئے جاتے تھے۔ عجیب کرّ و فر دھم دھما ترنم کا سماں تھا کہ ادھر مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان کی فضا "وایا سیلون" (via ceylon) جرس ہائے کارواں در کارواں سے گونجتی تھی اور ادھر شتر بچہ دانشوری کے کانوں میں قدسیانِ ملکوتی کے شیریں نغمے رس گھولتے تھے کہ اب پیا چاہے سہاگ کا سمندھن ہوا چاہتا ہے۔ ہائے ہائے کیا آسوں اور مرادوں کے دن تھے اور پھر وہ دن کیسے ہوا ہو گئے کہ جب عقیدتمندان اور حاشیہ نشین ان کے اور حلقۂ خوش خیالی کے یتیم اور اسیر ان بزرگوں کے سولوں، شیروانیوں اور عباؤں اور قباؤں کے بار سے جھکے جھکے گرانڈیل جثوں اور ٹھگنا قدوں والے سینک سلائی جسموں سے پسینہ نچوڑ نچوڑ کے مرتبانوں اور کنستروں میں تبرک بطور محفوظ کرتے تھے۔ اور یار احباب اور بال بچوں کو آڑے وقت میں لخلخہ سونگھانے کے لئے سات تالوں میں بند کر دیتے تھے۔ پر، "حیف کہ در چشم زدن صحبت یار آخر شد" اور اب کہ نہ وہ ساقی ہے اور نہ وہ محفل، بس وہ چند جلی ادھ جلی دیا سلائیاں باقی ہیں کہ جن سے کبھی اقتدار کی خیالی کرسیوں اور نشہ نشینوں پر منتوں کے چراغ جلائے جاتے تھے۔ سو یہ لٹا پٹا کاروانِ اُشترِ اقتدار اب ہاتھ ملتا ہے اور گردِ کارواں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ مگر وہ جو کہتے ہیں کہ جب تک سانس ہے تب تک آس ہے۔ چنانچہ حال اب یہ ہے کہ جب تک آتی جاتی سانس کا دوہری دھار کا خنجر چل رہا ہے اس وقت تک قوم اور وطن کے سر پر بھی ان کی اقتدار پسندی کا آرا بمعرفت شتر بچہ دانشوری چلتا رہے گا۔ مثال اس کی عملی ہم نے گذشتہ ہفتے ان ہی سطور میں ان ہی کی "منہ زبانی" اشارتاً دی تھی کہ قوم کیسی ہی ابتلا میں مبتلا ہو۔ چاہے ہندوستان مشرقی پاکستان کی سرحدوں پر چھاؤنی چھائے رہے۔ جناب گل مُد کو مطلب صرف الیکشن بلکہ دریدہ کرسیٔ اقتدار سے ہے چنانچہ فوراً ہی بیان کی توپ داغی کہ از سرِ نو الیکشن کرائے جائیں۔ سیاست ہمیں تو ان کی کچھ اسی ڈگر کی لگتی ہے جیسے کوئی سیاسی سائیکلوں کے ٹائر میں ہوا ڈالنے کی دکان ان کے پڑوس میں کھل گئی ہے کہ ادھر ایک الیکشن ہوئے اور حریف نے ان کی سیاسی سائیکل کی ہوا نکالی اُدھر یہ فوراً ہی دکان پر پہنچے۔ پنکچر لگوایا، ہوا بھروائی اور پھر سے "خوب صورت بھی ہے پائیدار بھی" گاتے ہوئے لڑنے مارنے پر آمادہ ہو گئے۔ بات یہ ہے کہ اگلے وقتوں کا کھایا پیا کام آرہا ہے۔ اور آجکل اپ اسٹیل کے بنے ہوئے جگر بھلا کہاں دستیاب ہیں کہ ہر چوٹ اور ہر شکست پر یوں ٹھنٹنائیں کہ چار دانگِ عالم کھنکنا اُٹھے۔ ہوس اقتدار کی اس دھما چوکڑی میں جو لطائف ان سے سرزد ہوتے رہتے ہیں وہ الگ۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ الیکشن کے ایام ابتلا میں ملک کے تمام اخباروں میں "طب جبین" والوں کی طرز کے بڑے بڑے اشتہاران کی طرف سے چھاپے جاتے تھے جن میں جملہ امراض روحانی کے علاجوں کے خاندانی ٹوٹکے بظاہر عوام کی فلاح و بہبود کی خاطر اور در پردہ کمپنی کی مشہوری اور "پبلک سٹی" کی نیت سے بلا مول لٹائے جاتے تھے اندرونِ ملک کے ناقدرے، بے شعور اور جذباتی عوام نے تو ہمیشہ ہی انہیں اور ان کے خانہ زاد نسخوں دونوں کو گھر کی مرغی دال برابر سمجھا مگر بیرونی ممالک والے کچھ رقیق القلب لوگ واقع ہوئے ہیں کہ بے شمار ملکوں کے اعلیٰ اور ادنیٰ روحانی معالجوں نے جو پاکستان میں مذہبی زبوں حالی کا یہ احوال ان کی تحریروں سے پڑھا۔ تو بلبلا اُٹھے۔ اور ہزار ہا تار ان کے نام موصول ہوئے کہ حضرت لِلّٰہ الیکشن لڑیئے اور ہمارے اور اپنے اندر کی طاغوتی قوتوں کی سرکوبی فرمایئے۔ ایسے اشتہارات ہفتوں زینتِ چشم و نگاہ ہم ایسے عاصی صاحبوں کی بنتے رہے۔ نتائج کا ذکر کر کے ہم اپنے پیارے اونٹوں کو خفت اور شرمندگی میں ڈالنا نہیں چاہتے اشارہ صرف یہ کرنا ہے کہ پچھلے دنوں ان ہی گنہگار آنکھوں نے بانسوں کو اس حال میں دیکھا کہ توشۂ سفر کا بار لادے سر نہوڑائے ہر بانس اپنے ہی سائے سائے چلا جا رہا ہے۔ پوچھا کہاں چلے۔ بے نیازی سے بولے اُلٹے بریلی کو۔ اللہ اللہ زمانہ بھی کیا "سیلی استاد" ہے کہ نقد سودا کرتا ہے۔ اس ہاتھ لے اس ہاتھ دے، مطلب ہمارا حضرت کی اس اپیل بذریعہ تار سے بجنسہٖ جملہ سربراہان بلادِ اسلامیہ سے ہے جس کے ذریعہ الیکشن کے دنوں کا بارِ قرض چکا دیا گیا ہے اپیل فرمائی ہے کہ اے برادرانِ غم خوار و غم گسار! کل تم نے جو قرض بصورت فرض بسلسلہ حفاظتِ اسلام اور مملکتِ پاکستان دیا تھا، سو اب ہم تمہیں لوٹاتے ہیں کہ آج تم وہی قرض ادا کرو جس کا طعنہ تم کل ہمیں دیتے تھے۔ کل

پسندہ مارکہ دانشوروں کا شُتر بچّہ آج کل بہت بلبلاتا پھر رہا ہے

ایک خوش مزاج دوست ملے اسی صورت حال پر کہنے لگے کہ "یہ تو وہی سلوک ہوا جو کلیلہ نے دمنہ کے ساتھ کیا تھا۔" ہم نے چپکے سے انھیں سمجھایا کہ اے یار عزیز دیواروں نے بھی اب پلاسٹک سرجری کے ذریعہ کان سیج مچ کے لگوا لئے ہیں۔ احتیاط برتو وہ زمانہ بھر آنے والا ہے۔ جب لومڑی کے بدلے بکری کے بچے بیگار میں پکڑے جایا کریں گے۔ اور یوں بھی پسندہ مارکہ دانشوروں کا شتر بچہ آج کل بہت بلبلاتا پھر رہا ہے۔ احتیاط لازم است۔ خاموشی سے تیل کی دھار دیکھتے رہو۔ تمہیں تیلی اور کولھو سے کیا لینا ہے۔

اس سیاست کی پشت پناہی جس شتر بچہ دانشوری کے سپرد ہے۔ اس کا کچھ احوال جستہ جستہ اوپر گزر چکا ہے جو باقی رہ گیا ہے وہ بھی شنیدنی بلکہ دیدنی ہے۔ لطائف و ظرائف کی تخلیق کی مشین یہاں بھی مولوی اسمٰعیل میرٹھی مرحوم کی مثالی پن چکی کی طرح K-2 کے لوٹ کی دھن میں مگن پوری تندہی سے "تقلید آنجناب" نامی نہر پر چلتی رہتی ہے۔ اللہ! اللہ! کیا باکمال وفاداری مع لاجواب استواری بالعوض اُس زر خطیر کے ہے جو ماہ بماہ دربار حضرت والا سے مثل بیبن کی روغنی روٹی کے عطا فرمائی جاتی ہے۔ صورت وفاداری کی اس بناہ میں اکثر و بیشتر یہ نکل آتی ہے کہ حضرت کی کف دست پہ عکیٹی ڈلی کو یہ لوگ افغانی تربوز باندھ جاتے ہیں۔ خیر نیدہ لشتر ہے اور مجھول چوک اور نسیان و خفقان کا ملغوبہ ہے۔ اور یوں بھی ہمیں کیا۔ یہ تربوز کی جگہ بھینس باندھیں بس ذرا حضرت کی کف دست کے متعلق لوگوں میں غلط فہمی پھیل جانے کا اندیشہ ہے۔

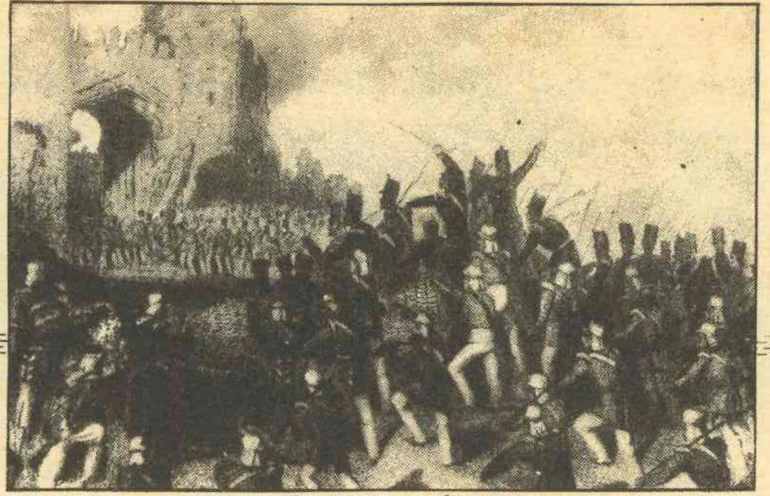
کلیں اس شتر بچہ کی بھی مثل اپنے آباو اجداد یعنی شترگان اقتدار ہی کی طرح کہیں محرابی، کہیں کمانی اور کہیں آنکڑا جیسی ہیں۔ کیوں نہ ہو۔ نقل بمطابق اصل کی ترکیب آخر منشیان عدالت نے یونہی تو نہیں ایجاد کر رکھی ہے۔ فائدہ اٹھانا حسب توفیق سائیکل کا کام ہے۔ منجملہ دوسری خصوصیات کے ایک خصوصیت ان شتر بچگان شتر دانشوری کے اندر یہ ہے کہ جب سے اپنے حضرت والا جاہ کے حلقۂ اسیری میں حصار بند ہوئے ہیں ملکوتی فرقِ عادات کے ظواہر ظہور پذیر ان سے بھی ہونے لگے ہیں۔ کیا "چھنکا" - "کیا "بڑکا" میاں کا ملہار گاتے گاتے خود میاں جی کی ٹھوڑی بن بیٹھنے کے مدعی ہو گئے ہیں۔ غرہ بھی عین مین ویسا ہی "ہمچو من دیگرے نیست" والا ہے۔ ایک آدھ تو مرتبۂ ملکوتی پا کر نام بھی اپنا ویسا ہی رکھ بھاگا ہے۔ اہل دو آبہ کی دل شکنی منظور نہیں ہے۔ احوال واقعی یہ ہے کہ ایک زمانے میں یہ علاقہ دعویٰ پیغمبری کا کرنے والوں کے سبب پورے غیر منقسم ہند میں مثل بوئے مشک اپنی شہرت رکھتا تھا۔ ہائے ظالم زمانہ کیا چال قیامت کی چل گیا۔ کہ اب یہ اعزاز بھی کراچی کے "چھنکے" اور "بڑکے" لے اڑے۔ خیر اب بھی گھاٹے میں ادھر والے ہی ہیں۔ نام "عزرائیل" رکھیں یا "عزازیل" یا کچھ اور اپنے آپ کو عجیبان شہر میں شمار کرائیں یا امیران ملک میں لبادہ عبادت گزاری کا اوڑھیں یا زہد و تقویٰ کا اہلیان دو آبہ کے مقابلے میں حیثیت ان کی اب بھی ثانوی بلکہ وہی لوئر مڈل کی لوئر مڈل ہی رہی چلی آتی ہے۔ محبّ گرامی، حضرت جمیل الدین عالی بھی کیا قسمت لکھا کر لائے ہیں کہ بابائے اردو مرحوم کی گدڑی میں کیسے کیسے لعل ہائے بے بہا لپیٹے زانوؤں میں دبائے بیٹھے ہیں۔ سچ کہا کسی نے خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیئے حال"۔ خیر ہمیں کیا۔ نہ تین میں نہ تیرہ میں۔ جلتا ہو تو جلیں بھائی عالی کے یار غار یعنی انشا جی۔ شکایت بھی ہو گی تو ان ہی کو ہو گی کہ خالی خولی دوستی کا دعویٰ تو ان سے اور "الگ باندھ کے رکھا ہے جو مال اچھا ہے۔"

کاروبار ان شتر بچگانِ دانشوری کے بمطابق نسخۂ پیٹنٹ چلتا ہے۔ جو لکھو وہ گری اور مغز سے عاری ہو۔ مفہوم مطلب ہرگز کچھ نہ نکلے۔ گالی ترقی پسندوں کو ایک سو عدد۔ واویلہ لسبلہ لہٗ تباہی اسلام حسب خواہش، دشنام طرازی دربارۂ بھٹو و پیپلز پارٹی۔ لکھنے والوں کے ہم وزن۔ گریہ زاری سلسلۂ نظریاتی سرودات نائب امیر الامراء کے ہموزن۔ عوام کو جذباتیت اور بے شعوری کا طعنہ حسب طاقت جسمانی قصیدہ در مدح عمّ بزرگوار، نکو نام یعنی کہ سام دہاٹٹ مالوی۔ جملہ اجزا کوفتہ و نیم کوفتہ صورت ملغوبہ لباز مدقبہ برائے نشر و تشہیر بہ بہانہ خدمت خلق انہ زیور ضیع آراستہ کنند دمو التشانی، نہ صرف صحت لکھنے والے کی اس نسخہ کی برکت سے چند روز میں مثل بربری بکرے کے ہو جائے گی بلکہ سینگ بھی اس ہی جیسے اُگ آئیں گے تاکہ راہ چلنے والے کو ضرورت، بلا ضرورت سینگ مارنے کا شغل بھی کیا جا سکے۔ طبیعت اس شغل سے ہلکی مانند پھول رہے گی بلکہ سینگ مارنے والا جسمانی طور پر بھی پھول پھول کر اعلےٰ درجہ کا دنبہ مع ایک عدد چکتی وزنی بیس سیر تحتہ (اکبر شاہی) بن جائے گا۔

غرض کہ اونٹ اس سیاست اور دانشوری کا نقل بمطابق اصل کے ہے کہ کسی صورت، کسی پہلو چین نہیں ہے۔ الّا یہ کہ تخت اقتدار خدمت عالیہ میں بطور تحفۂ پیش کر دیا جائے وہ بھی مشروط کہ اس طور کہ وقفِ علی الاسیران وبقیہان دعفقید تمندان حضرت والا کے تا دم روز محشر رہے گا اور کوئی دعویدار کبھی نہ پیدا ہو گا۔ اور نہ حق شفا کا دعویٰ دھکڑ کوئی کرے گا۔ نہ کسی کو تاب و مجال چون و چرا کی جملہ معاملات سربراہی ملک و ملت و احکام دربار عالیہ کے سلسلے میں ہو گی۔ مزید براں کوئی سیاسی جماعت آئندہ اس ملک میں نہیں بنے گی۔ بجز جماعت خدائی فوجداران کے کہ کمان اس کی تا دم موجود حضرت والا کے ہاتھ میں ہے و نیز ہرگاہ مطلع رہویں کہ زبانیں جن کی گدیوں سے یا گردنیں ان کے جسموں سے جدا کر دی جاویں گی، ان کے اعزا او آل و اولاد کو دعویٰ خون بہا کا بخلاف سرکار والا تبار کے دائر کرنے کا حق نہیں ہو گا بلکہ اعزا و آل اولاد اس کے اوپر شکرانہ و تحسین واجب الادا بحق سرکار مذکور رہویں گے۔ وغیرہ وغیرہ

"وقت کوتاہ و قصّہ طولانی" کے پیش نظر یہ ذکر و مذکور دل پذیر و وارد گیر ہم یہیں ختم کرتے ہیں اونٹ اپنے تجھیم میں مثل ان ہی کے ابھی اور کئی ہیں۔ ایک اونٹ ان میں ہماری محبّ اور فدائے قوم و ملت سرمایہ داری کا ہے۔ ایک اونٹ ادبیات عالیہ کا اور کچھ اونٹ دساوری منڈی کے بھی ہیں۔ تشغلِ دل پسندان دساوریوں کا بھی ہماری سیاست میں ٹانگ پھنسانے کا ہے۔ وغیرہم۔ سو فی الحال چلتے ہیں۔ اور بقول شاعر

پھر ملیں گے اگر خدا لایا



دہلی پر انگریز فوجوں کی یلغار



لکھنؤ پر قبضہ کے بعد انگریز لوٹ مار میں مصروف ہیں

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بھی سامراجی ایجنٹوں نے اپنے آقاؤں کا نمک حلال کیا تھا

وہاب صدیقی

"انقلاب کو بغاوت کا نام دیا جاتا ہر ناکام ہے۔" یہ بات ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی پر سو فیصد صادق آتی ہے۔ برطانوی سامراج نے اس جنگ آزادی کو "سپاہیوں کی بغاوت" یا "غدر" کا نام دیا۔ جیالے حریت پسندوں کو "باغیوں" کا نام دے کر ان کے بدن گولیوں سے چھید دیئے۔ آزادی کے متوالوں کو توپ کے گولوں سے اڑا دیا۔ فرنگی تسلط کے خلاف نعرۂ آزادی بلند کرنے والوں کو تختۂ دار پر لٹکا دیا اور لاتعداد محبّ وطن افراد کو جیلوں میں بھر دیا۔ برطانوی نوآبادکاروں نے اپنے بھیانک اور انسانیت سوز جرائم اور مظالم کو چھپانے کے لئے جو انھوں نے برصغیر کے حریت پسند عوام پر توڑے تھے "غدر" اور "بغاوت" کے لفظ کا اس شدت سے پروپیگنڈہ کیا کہ اپنوں نے بھی جنگ آزادی کو "غدر" اور حریت پسندوں کو "باغی اور سازشی" مان لیا۔ اور ان کے لئے سزائیں تجویز کرنے لگے۔ چنانچہ "لاہور کرانیکل" جس کے بانیوں میں "تاریخ پنجاب" اور "تاریخ لاہور" کے مصنف سید عبد اللطیف کے والد مفتی محمد عظیم بھی شامل تھے، ۱۸ر نومبر ۱۸۵۷ء اپنے مقالۂ افتتاحیہ میں لکھتا ہے:۔

"ہم پھر پکار کر کہتے ہیں کہ ایک خونیں انتقام لے لو۔ جس گاؤں میں ہمارے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ انگریز باشندے کی ذرا سی بھی توہین ہوئی ہو اسے جلا کر خاک کر دیا جائے اور اس گاؤں میں جتنے لوگ آباد ہیں انھیں قتل کر دیا جائے۔ آج ہماری سنگینیں لہو سے سرخ ہونے دو تاکہ آنے والے وقتوں میں کسی انگریز خاتون کے خون سے کسی قاتل کا خنجر آلودہ نہ ہو۔"

سر سید احمد خاں نے بھی اس جنگ آزادی کو بغاوت کا نام دیا۔ حالانکہ واقعات اور حقائق اس لفظ کی سراسر تردید کرتے ہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ اب بھی بعض عناصر اسے جنگ آزادی تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ، جنگ آزادی تھی یا بغاوت، اس بات کا تعین صرف اس جنگ کے مقاصد ہی سے ہو سکتا ہے۔ اس جنگ کا مقصد فرنگی تسلط سے نجات حاصل کرنا تھا۔ فرنگی جو ایک تاجر کی حیثیت سے ہندوستان آیا تھا اور آہستہ آہستہ ہندوستانی حکمرانوں کے باہمی نفاق اور جھگڑے کی بدولت اتنا طاقتور ہو گیا کہ ملک پر حکمرانی کا دعویٰ کرنے لگا۔ مختلف بہانوں اور حیلوں سے ہندوستانی ریاستوں پر قبضہ جمانا شروع کر دیا تھا۔ لارڈ ڈلہوزی نے جھانسی کا تخت رانی کے متبنّے اندراؤ کو دینے سے انکار کر دیا اور رانی کی پنشن مقرر کر کے ریاست بحق ایسٹ انڈیا کمپنی ہڑپ کر لی۔ ادھر بہادر شاہ ظفر کو اطلاع دی کہ اس کے بعد اس کی اولاد کو لال قلعہ خالی کرنا پڑے گا۔ انگریزوں کے ان اقدامات نے ہندوستانی حکمرانوں کو وقتی طور پر اپنے اختلافات بھول جانے اور متحد ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور انھوں نے اپنے مشترکہ دشمن ۔ برطانوی نوآبادکاروں کے خلاف مورچہ جما لیا۔

عوام بھی غیر ملکی راج سے نالاں تھے۔ وہ دہرے استحصال کا شکار تھے۔ چنانچہ انھوں

وطن کی آزادی کے "جرم" میں میرٹھ کے پچاسی سپاہیوں کو بیڑیاں پہنائی گئیں

۱۔ ماتا دین ۔ (۲) میر قدرت علی (۳) شیخ حسن الدین (۴) شیخ نور محمد (۵) تیمار ناتک (۶) شتیل سنگھ (۷) جہانگیر خاں (۸) میر محسن علی (۹) علی نور خاں (۱۰) میر حسین بخش (۱۱) متھرا سنگھ (۱۲) نارائن سنگھ (۱۳) لال سنگھ (۱۴) بشن سنگھ (۱۵) بلویو سنگھ (۱۶) شیخ نندو (۱۷) نواب خاں (۱۸) شیخ رمضان علی (۱۹) درگا سنگھ (۲۰) نبی بخش خاں (۲۱) علی محمد خاں (۲۲) لکھن سنگھ (۲۳) چورامن سنگھ (۲۴) نجو خان (۲۵) عبداللہ خاں (۲۶) عیسے خاں (۲۷) زبردست خاں (۲۸) مرتضیٰ خاں (۲۹) برجور سنگھ۔ (۳۰) عظیم اللہ خاں (۳۱) کالا خاں (۳۲) شیخ سعد اللہ (۳۳) سالار بخش خاں ۳۴ شیخ راحت علی۔ (۳۵) دوارکا سنگھ (۳۶) ٹکا سنگھ (۳۷) رگھبیر سنگھ (۳۸) بلدیو سنگھ (۳۹) درشن سنگھ (۴۰) امداد حسین (۴۱) پیر خاں (۴۲) یوسف علی خاں (۴۳) موتی سنگھ (۴۴) شیخ فضل امام (۴۵) ہیرا سنگھ (۴۶) سیوا سنگھ (۴۷) مراد شیر خاں (۴۸) شیخ امام علی (۴۹) کانشی سنگھ (۵۰) شرف علی خاں۔ (۵۱) قادر داد خاں (۵۲) شیخ رستم (۵۳) بھگوان سنگھ (۵۴) میر امداد علی (۵۵) شیو بخش سنگھ (۵۶) لچھمن سنگھ (۵۷) امام بخش (۵۸) عثمان خاں (۵۹) منصور علی خاں (۶۰) شیخ غازی بخش (۶۱) شیخ امید علی (۶۲) عبدالوہاب خاں (۶۳) رام سہائے سنگھ (۶۴) پناہ علی خاں (۶۵) لچھمن دوبے (۶۶) رام سورن سنگھ (۶۷) شیخ ایزد علی (۶۸) سیوا سنگھ (۶۹) ستیل سنگھ (۷۰) موہن سنگھ (۷۱) ولایت علی خاں (۷۲) شیخ محمد عوض (۷۳) اندر سنگھ (۷۴) فتح خاں (۷۵) لیکھ سنگھ (۷۶) شیخ قاسم علی (۷۷) رام چرن سنگھ (۷۸) حرپوا سنگھ (۷۹) نصر اللہ بیگ (۸۰) محراب خان (۸۱) عظیم اللہ (۸۲) اندر سنگھ (۸۳) پرشاد سنگھ (۸۴) دلاور خاں (۸۵) غلام نبی خاں

نے بھی ریاستی حکمرانوں کا ساتھ دیا۔ مگر اس اتحاد کو متحدہ محاذ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس تحریک کی قیادت بادشاہوں، نوابوں اور جرنیلوں کے ہاتھ میں تھی۔ مزدوروں کے پاس نہیں۔ مگر اس سلسلے میں یہ بات بھی ہے کہ یہ جنگ آج نہیں سو سال پیشتر لڑی گئی تھی اور اس زمانہ میں متحدہ محاذ اور عوامی جنگ کا کوئی تصور نہیں تھا۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ اس جنگ کو ہر حصے کے عوام کی حمایت اور تائید حاصل تھی۔

جنگ آزادی کی ابتدا برِصغیر کے کن علاقوں سے ہوئی

۱۷۶۴ء	بنگال آرمی کی پہلی جدوجہد آزادی
۱۷۶۴ء	بنگال آرمی کی دوسری جدوجہد آزادی
۱۷۹۰ء	وزیگاپٹم
۱۸۰۶ء	حیدرآباد دکن
۱۸۰۶ء	نندی ورگ
۱۸۰۶ء	پالم کوٹا
۱۸۰۶ء	ویلور
۱۸۰۶	والاجاہ آباد
۱۸۰۹ء	مدراس آرمی کی جدوجہد آزادی
۱۸۲۴ء	بارک پور (کلکتہ)
۱۸۴۰ء	اسّی گڑھ
۱۸۴۰ء	مالیگاؤں (بمبئی)
۱۸۴۰ء	سکندرآباد
۱۸۴۳ء	جبل پور
۱۸۴۴ء	فیروز پور
۱۸۴۴ء	بمبئی میں مدراس آرمی کی جدوجہد
۱۸۴۹ء	وزیرآباد
۱۸۵۰	گوبند گڑھ
۱۸۵۰	بہرام پور (بنگال)
۱۸۵۷ء	
۲۷ر فروری	بہرام پور
۱۷ر مارچ	بارک پور
۸ر اپریل	منگل پانڈے کو پھانسی
۳ر مئی	لکھنؤ
۱۰ر مئی	میرٹھ میں جنگ آزادی کا باقاعدہ آغاز
۱۱ر مئی	دہلی
۱۳ر مئی	فیروز پور اور مظفر نگر
۱۹ر مئی	مراد آباد
۲۰ر مئی	علی گڑھ
۲۱ر مئی	نوشہرہ اور بلند شہر
۲۲ر مئی	مین پوری
۲۳ر مئی	اٹاوہ، ہوتی (مردان)

۲۸ر مئی	نصیرآباد
۳۰ر مئی	لکھنؤ اور متھرا
۳۱ر مئی	بریلی اور شاہ جہاں پور
یکم جون	بدایوں
۳ر جون	مرادآباد
۳ر جون	اعظم گڑھ، سہارنپور اور سیتاپور
۴ر جون	بنارس اور کانپور
۵ جون	جونپور
۶ر جون	الہ آباد اور جھانسی
۷ر جون	فیض آباد اور جالندھر
۸ر جون	لدھیانہ اور پھلور
۹ر جون	فتح پور، دریاآباد، نوگاؤں، سکرورا اور سلطانپور
۱۰ر جون	سلونی اور گونڈہ
۱۲ر جون	للت پور
۱۴ر جون	باندہ، گوالیار اور ہمیر پور
۱۵ر جون	اورنگ آباد
۱۸ر جون	اُہتنگ
یکم جولائی	ہاتھرس اور راندور
۲ر جولائی	ہانسی
۴ر جولائی	آگرہ
۷ر جولائی	جہلم
۹ر جولائی	سیالکوٹ
۲۵ر جولائی	داناپور (بہار)
۳۰ر جولائی	ہزاری باغ (بہار)
۳۱ر جولائی	کولھاپور، مظفرپور، رانچی (بہار)
۱۴ر اگست	بھاگل پور
۲۲ر اگست	انی پورم (کیرالا)
۱۵ر اکتوبر	کوٹا
۱۸ر نومبر	چھمتر گاؤں
۲۰ر نومبر	ڈھاکہ
۴ر دسمبر	مداری گنج
۵ر دسمبر	جل پیگوری

اگر قانونی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ہندوستان کا جائز اور قانونی مقتدر حکمران بہادر شاہ ظفر تھا۔ اس کی قیادت میں حریت پسندوں نے جنگ کی۔ لہٰذا ان کی جنگ قانونی اور آئینی تھی۔ البتہ جس فرنگی عدالت نے بہادر شاہ ظفر اور حریت پسندوں کو باغی اور مجرم گردانا، وہ بذاتِ خود غیر قانونی تھی۔ اور انگریزوں کا قائم کردہ نام نہاد مقدمہ انصاف، عدل اور اخلاقی قدروں کے منافی تھا۔

رہا سوال ناکامی کا، تو انقلابی فوجوں کی غالباً غلطی یہی تھی کہ انہوں نے اپنے آپ کو لکھنؤ اور دہلی میں قلعہ بند کر لیا تھا اور وہ پہل کرنے کے مواقع کھو بیٹھے تھے۔ اودھ اور روہیل کھنڈ کے دیہاتی علاقوں میں پھیلے ہوئے گوریلا دستوں سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ مولوی احمد اللہ مدراسی اور تانتیا توپی نے گوریلا جنگ کا طریقہ اختیار کیا اور انہوں نے ہی انگریزوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ لیکن ناکامی کی سب وجہ یہ تھی کہ اپنے دامن بھی کچھ کانٹے اٹکے ہوئے تھے۔ آستین میں سانپ پل رہے تھے لال قلعہ کا کوئی راز انگریزوں کے لئے راز نہ تھا انہیں پل پل کی خبر ملتی تھی۔ غداروں نے انگریزوں کو جو اطلاعات بھیجی تھیں تاریخ نے انھیں محفوظ کر لی ہیں۔ چند خبرنامے ملاحظہ کیجئے۔

۲۲ر جولائی (محی الدین)

۱۔ بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ متھرا کے منی رام سے ایک کروڑ روپیہ وصول کیا جائے اور ربیع کی فصل کی پہلی قسط بھی حاصل کر لی جائے۔ منی رام کو آزاد شدہ علاقے کا صوبیدار مقرر کر دیا گیا ہے۔

۲۔ جھجّر کے نواب اور بلبھو گڑھ کے راجہ کے نام خطوط میں تعاون اور امداد طلب کی گئی ہے۔ جو ایلچی جھجّر بھیجا گیا تھا وہ واپس آگیا ہے۔ خیال ہے کہ وہ خزانہ نہ لانے کے بہانے پیش کرے گا۔

۲۴ر جولائی (نامعلوم)

نواب زینت محل بیگم بیں نمایاں کردار ادا کر رہی ہے۔ اس نے جنرل بخت خان سے وعدہ کیا ہے کہ اگر وہ انگریزوں کے پہاڑی توپ خانے پر قبضہ کر لے تو اسے نہ صرف سپہ سالار اعظم بلکہ ہندوستان کا گورنر جنرل بھی مقرر کر دیا جائے گا۔

شہزادہ مرزا جمعہ بخت سے وعدہ کیا گیا ہے کہ بہادر شاہ ظفر کے بعد سلطنت اُسے ملے گی۔ (اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے چھوٹے بھائی کو معمولی سی تنخواہ پر جنرل بخت خاں کے دفتر میں ملازم کرا دوں اس طرح ہمیں مستند خبریں حاصل ہو جایا کریں گی۔ لیکن مجھے آپ کی تحریری اجازت کی ضرورت ہے۔)

مجھے اچھی طرح یقین ہے کہ انگریزی کیمپ پر حملہ ہوگا اور اس میں ایک رجمنٹ کے سوا باقی ساری باغی فوج حصہ لے گی۔

چند مفاد پرستوں کی غداری ناکامی کا سبب بن گئی۔ انقلابیوں کی منصوبہ بندی سے سب سے بڑی خامی یہی تھی کہ انہوں نے غداروں سے بچنے کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔ لیکن اس ناکامی سے تحریک کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ بغاوت نہیں جنگ آزادی تھی۔ جس نے ہندوستانی عوام کو مسلح جدوجہد پر اُکسایا اور ان میں خود اعتمادی پیدا کی۔ اور اسی جنگ نے غیر ملکی تسلّط سے نجات حاصل کرنے کا سبق دیا۔

این ایس ایف کی کراچی سے خیبر تک ایک آواز ہے



لطیف چوہدری



عبدالقدوس

"جمہوری روایات کو پامال نہیں ہونے دیا جائے گا"

نمائندہ الفتح

"ساتھیو! نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن ایک انقلابی اور جمہوری تنظیم ہے۔ اس کے تمام فیصلے باہمی گفت وشنید سے کئے جاتے ہیں۔ اسی لئے یہ ہمیشہ سے آمریت کی مخالف رہی ہے۔ اسے فخر ہے کہ یہ آج تک کسی آمر کے سامنے نہیں جھکی۔ ایوبی آمریت کے قلعے میں پہلا شگاف ڈالنے کا اعزاز بھی اسے ہی حاصل ہے۔ این ایس ایف نے ۷ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو اپنے صدر ڈاکٹر رشید حسن خاں کی قیادت میں تحریک شروع کی جو آگے چل کر عوامی تحریک بن گئی اور ایوب خاں کو مسند اقتدار چھوڑنی پڑی لیکن آج کچھ مفاد پرست لوگ این ایس ایف کی جمہوری روایت کو پامال کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس پر ایسے فیصلے تھوپنا چاہتے ہیں جو سراسر غیر جمہوری اور غیر انقلابی ہیں۔ یہ لوگ این۔ ایس۔ ایف کو اپنی جاگیر اور اس کے کارکنوں اور اراکین کو اپنا ہاری سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم واشگاف الفاظ میں بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہم این۔ ایس۔ ایف کو ایک انقلابی اور جمہوری تنظیم کی حیثیت سے ہر صورت میں برقرار رکھیں گے۔ اور اپنے کارکنوں کے اکثریتی فیصلے کے علاوہ کسی اور کے فیصلے نہ ہمیں پہلے قبول تھے اور نہ اب تسلیم کریں گے"

یہ تقریر این ایس ایف کراچی کے صدر جناب عبدالقدوس کی تھی۔ وہ ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء کو ڈاؤ میڈیکل کالج میں این۔ ایس۔ ایف کے کارکنوں سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ "گزشتہ دنوں این۔ ایس۔ ایف کراچی کے جنرل سیکرٹری الطاف صدیقی نے آمرانہ فیصلوں کو ماننے سے انکار کر دیا تو کچھ لوگوں نے اُن کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ ایسے افراد کو این۔ ایس۔ ایف کے کسی بھی کارکن اور رکن کے خلاف کچھ کہنے کا حق نہیں ہے۔ اگر کسی کو کوئی شکایت ہے تو وہ این۔ ایس۔ ایف کے کارکنوں کے اجلاس میں اپنی شکایت پیش کریں۔ کسی رکن کے خلاف تادیبی کارروائی یا اُس کی رکنیت کی معطلی کا فیصلہ صرف اور صرف این۔ ایس۔ ایف کے کارکنوں کے اجلاس میں کیا جا سکتا ہے"

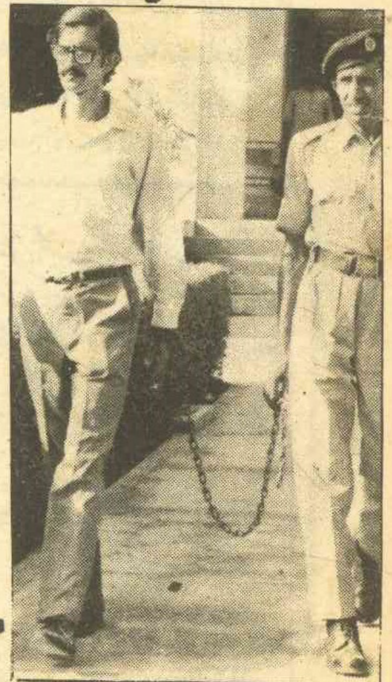
جناب عبدالقدوس نے بتایا کہ این۔ ایس۔ ایف ڈاؤ میڈیکل یونٹ نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ چھ ماہ سے اُس کے آٹھ کارکنوں کی ایک جماعت کراچی کی بستیوں کا دورہ کرے گی۔ بیماروں کا معائنہ اور علاج کرے گی اور جہاں تک مالی وسائل نے اجازت دی ادویات بھی مہیا کرے گی۔ دورے کی ابتدا لیاری کی بستی سے ہوگی۔ ایک آٹھ رکنی جماعت سندھ کے دیہاتوں کا دورہ بھی کرے گی

این۔ ایس۔ ایف کراچی کے اس اجلاس میں ڈاکٹر رشید حسن خاں کی رہائی کا موضوع سرِ فہرست تھا۔ مسٹر الطاف صدیقی نے اجلاس کو بتایا کہ اس سلسلے میں ایک وفد پیپلز پارٹی کے چیئرمین جناب بھٹو سے ملا تھا۔ انہوں نے گورنر سندھ سے بات کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ این۔ ایس۔ ایف کا ایک وفد گورنر سندھ سے ملے گا۔ مجلسِ عاملہ کے رکن شہریار مرزا نے تجویز پیش کی کہ اخبارات اور جرائد کے مدیروں سے ملا جائے اور ڈاکٹر رشید کی رہائی کے لئے اداریئے لکھوائے جائیں انہوں نے بتایا کہ "ہفت روزہ الفتح" نے ہمارے کہے بغیر اس سلسلے میں اداریہ لکھ دیا ہے اور اس طرح اس رسالے نے یہ ثبوت مہیا کر دیا ہے کہ وہ واقعی عوام دوست ہے اور اگر دوسرے اخبارات نے اداریئے نہیں لکھے تو اُن کی عوام دوستی کا دعویٰ محض ایک کھلا جھوٹ اور فریب ہوگا۔ اس کے علاوہ اراکین قومی وصوبائی اسمبلی اور دانشوروں سے بیانات دلواتے جائیں" مسٹر شہریار مرزا کی یہ تجویز باتفاق رائے منظور کر لی گئی۔

اس کے بعد این۔ ایس۔ ایف مغربی پاکستان کے جنرل سیکرٹری جناب لطیف چودھری نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "این۔ ایس۔ ایف پندرہ سال کی ہو چکی ہے۔ اس مختصر عرصے میں" تعلیم عام کرو" "فیسوں میں کمی کرو" "کتابیں سستی کرو" کے نعرے "مزدور، کسان، اور طلبہ اتحاد" "سامراجیو ایشیا سے نکل جاؤ" "عوامی جمہوریت زندہ باد" میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ کیونکہ ہمیں تجربات نے سبق دیا ہے کہ تعلیم عام، فیسوں میں کمی اور کتابیں سستی کرنے سے ہمارے مسائل حل نہیں ہو سکتے، طلبہ بھی معاشرہ کا حصہ ہیں۔ جب تک عوام کے مسائل حل نہیں ہوتے اُس وقت تک طلبہ بھی مسائل میں گھرے رہیں گے اسی لئے "مزدور کسان اور طلبہ اتحاد" کا نعرہ لگایا جاتا ہے اور امریکی سامراج اور اُس کے حواریوں کو عوام کا دشمن نمبر ا قرار دیا جاتا ہے "مزدور، کسان، طلبہ اتحاد" کا مطلب وہ متحدہ محاذ بنانا ہے جس کی قیادت صرف اور صرف مزدور کے پاس ہو۔ بعض افراد عوام کو دھوکا اور فریب دینے کیلئے کسی بورژوا سیاسی جماعت میں شریک ہو جاتے ہیں۔ جس کی قیادت کسی جاگیردار اور سرمایہ دار کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اور اس اشتراک کو جو اس کے ذاتی مفادات پورے کرتا ہے متحدہ محاذ کا نام دے دیتے ہیں۔ ایسا متحدہ محاذ محض دھوکا ہے۔

باقی صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ فرمائیں

"این ایس ایف کے صدر جناب رشید حسن خاں کو انتظامی اسباب کی بنا پر سکھر جیل میں منتقل کیا گیا ہے۔ اُن کی صحت ٹھیک ہے۔ قید میں توسیع نہیں کی گئی۔ وہ سیاسی قیدی نہیں بلکہ توہینِ عدالت کے جرم میں چھ ماہ کی قید بامشقت کی سزا بھگت رہے ہیں" (سرکاری اعلان اپ پ)



بھارت میں روس نواز انقلابیوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں

ایشیا کے کئی ایک ممالک اس انقلابی لہر کی زد میں آگئے اور وہاں کے عوام نے چیئرمین ماؤ کی دکھلائی ہوئی راہ ——— عوامی انقلاب کی راہ اپنائی، استحصالی نظام کے خلاف ہندوستانی عوام کا غیض وغضب سامراجیوں کی حکومت کے خلاف عام مجاہدانہ بغاوت بن کے ابھرا۔ محنت کش طبقے کے زیر سرکردگی ہندوستان کے کاشت کاروں نے مسلح جدوجہد کی راہ کو اپنالیا۔ پونا پرا اور وایلیار کے کسانوں نے رجعت پسند مسلح فوجوں کے خلاف مزاحمت کی راہ دکھائی۔ تلنگانہ کے کاشت کار جاگیرداروں کے خلاف ہتھیار لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور بنگال کے کسانوں نے جاگیرداری استحصال کے خلاف تیبھاگا جدوجہد شروع کردی۔ طبقاتی جدوجہد کی لہر تمام ملک میں پھیل گئی۔ اور اس نے پولیس فوج اور بحریہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ لیکن ترمیم پسند قیادت نے سامراجیوں اور ملکی رجعت پسندوں کے پٹھو کا کردار ادا کیا۔ اور ان عظیم معرکوں سے غداری کی۔ اس انقلابی لہر کو بھانپتے ہوئے سامراج نے کانگرس سے، جو کہ ہندوستان میں بیرونی سرمائے کے محافظوں اور جاگیرداروں کی نمائندگی کرتی تھی، سودا بازی کرلی۔ ملک تقسیم ہوگیا تو سامراجیوں کی براہ راست حکومت بالواسطہ ہوگئی۔ عوام کے خلاف اس ریاکاری میں ہندوستان کی تمام دوسری سیاسی جماعتوں کے علاوہ ترمیم پسند بھی شامل تھے۔

پارٹی کی دوسری کانگریس میں کارکنوں نے اس غداری کے خلاف بغاوت کردی اور رانا دیوٹوے نے پارٹی کی قیادت پر قبضہ کرنے کے لئے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ آندھرا صوبائی کمیٹی کے سیکرٹریٹ نے جو کہ اس وقت تلنگانہ تحریک کی رہنمائی کررہا تھا۔ صحیح طور پر یہ نشاندہی کی کہ ہندوستانی انقلاب کو فتح صرف چین کی دکھائی ہوئی راہ یعنی عوامی جنگ کے ذریعے نصیب ہوسکتی ہے۔ رانا دیوٹوے نے آندھرا سیکرٹریٹ کے ان صحیح نتائج کی مخالفت کی۔ اور جمہوری انقلاب اور سوشلسٹ انقلاب دونوں کی بیک وقت تکمیل کے ٹراٹسکی نظریہ کو اپنا لیا۔ اس طرح اس ٹولے نے پارٹی کے کارکنوں کی توجہ جمہوری انقلاب اور سوشلسٹ انقلاب دونوں کی بیک وقت تکمیل کے ٹراٹسکی نظریہ کو اپنا لیا۔ اس طرح اس ٹولے نے پارٹی کے کارکنوں کی توجہ جمہوری انقلاب کے بنیادی کام یعنی زرعی انقلاب سے ہٹا دی۔ فرقہ واریت نے پارٹی کے ممبروں کو بھسم جو بنا دیا۔ اگرچہ رانا دیوٹوے نے اس غلط اور خودکشی حکمت عملی کو اپنایا، لیکن تلنگانہ کے کسان انقلابی جدوجہد کے راستے سے نہ ہٹے اور انھوں نے اپنی اس تحریک کو گوریلا جنگ کے ذریعے آگے بڑھایا۔ رانا دیوٹوے نے بالآخر کارکنوں کی بغاوت کے پیش نظر اس فرقہ وارانہ حکمت عملی کو ترک کر دیا۔ بین الاقوامی لیڈرشپ کی برحق مداخلت نے اس عمل کو آگے بڑھایا۔ لیکن ۱۹۵۱ء کے پروگرام کی منظوری سے پھر وہی ریاکارانہ حکمت عملی بحال ہوگئی۔

ہندوستان میں قومی سرمایہ دار کا مسئلہ

۱۹۵۱ء کا پروگرام اور لائحہ عمل اس فکری بنیاد پر تیار کیا گیا تھا کہ ہندوستان کا اونچے سرمایہ دار طبقہ دوہرے کردار کا حامل ہے۔ اس دوہرے کردار کی توضیح یہ تھی کہ ہندوستان کے اونچے بورژوائی طبقے کا کردار سامراج دشمن بھی ہے اور سامراج سے سمجھوتے پر آمادہ بھی۔ دوسرے لفظوں میں ہندوستان کے اونچے سرمایہ دار طبقے کو قومی سرمایہ دار سمجھا گیا جبکہ کامریڈ سٹالن نے ۱۹۲۵ء ہی میں کہہ دیا تھا کہ ہندوستانی سرمایہ دار طبقے کا اونچا اور با اثر حصہ سامراجیوں کے ساتھ جا ملا ہے۔ اور ان کے بلاک میں شامل ہوگیا ہے۔ لیکن کامریڈ اسٹالن کے نام سے حلف لینے اور قومی بیداری کے پروگرام کو اپنانے کے بعد بھی کمیونسٹ پارٹی کی لیڈرشپ بڑے سرمایہ دار کو قومی سرمایہ دار کے طور پر پیش کرتی رہی۔ اس بنیاد پر ترمیم پسند قیادت کو موقع ملا کہ وہ ہندوستانی ریاست کے ایک آزاد سرمایہ دارانہ ریاست کہہ سکے۔ اگرچہ وہ تسلیم کرتے تھے کہ ہندوستان کی حکومت جاگیرداروں اور سامراج سے قریبی تعلق رکھنے والے بڑے سرمایہ دار طبقے کی حکومت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ان کا یہ نظریہ بھی تھا کہ اس اشتراک میں سب سے طاقتور عنصر بڑے سرمایہ دار کا ہی ہے۔ اور یہی عنصر ہندوستانی ریاست کو آزاد ریاست کو آزاد سرمایہ دارانہ ریاست کی شکل دے گا۔ اسی نظریہ سے استفادہ کرتے ہوئے ڈانگے کے ٹولے نے یہ سیاسی لائن اپنائی کہ ہندوستان میں اب جاگیرداری کا وجود باقی نہیں اور زراعت میں سرمایہ داری پروان پا چکی ہے۔ سو نہرو کو سرمایہ داروں کے ترقی پسند طبقے کا نمائندہ بنا کر پیش کیا گیا۔ ڈانگے کے ٹولے کی حکمت عملی تحلیل پسندی پر مبنی تھی۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ہندوستان کی قومی جمہوری حکومت سرمایہ دار طبقے سے اتحاد کے ذریعے مرتب ہوگی۔ اسی دوران میں وہ یہ بھی کہتے رہے کہ ہندوستان کو جس قدر روسی امداد ملے گی اس کی آزادی اسی قدر محفوظ ہوگی۔ یعنی روسی امداد ہند کے سامراجی دائرہ اثر سے باہر نکلنے میں معاون ثابت ہوگی۔ ہمیں عظیم چینی پارٹی کے تجربے سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۲۷ء میں چیانگ کائی شیک کے برسراقتدار آنے پر چین کے ٹراٹسکی نواز طبقے نے اعلان کر دیا تھا کہ چیانگ کائی شیک ٹولے نے سامراج اور جاگیرداری کو زیر کرلیا ہے۔ اور وہ آزاد سرمایہ دارانہ سفر کی راہ ہموار کر رہا ہے۔ دائیں بازو کے موقع پرست چین تو سیو نے اسی ٹراٹسکی نواز لائن کو اپنایا۔ ان کا کہنا تھا کہ جمہوری انقلاب کی تکمیل پر چین سوشلسٹ انقلاب کے مرحلے میں داخل ہوچکا ہے۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ "قومی اسمبلی بنائی جائے" اور انقلابی جدوجہد کی راہ ترک کرکے قانونی تحریکوں کے رستے کو اپنا لیا جائے وہ ہر قسم کی انقلابی تحریک کے خلاف تھے اور اس بنا پر پارٹی سے نکال دیئے گئے۔ کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کی ریاکار ترمیم پسند قیادت نے بھی یہی راہ اپنائی اور ہر قسم کی انقلابی تحریک کی مخالفت کی۔ انھوں نے تلنگانہ کے انقلابی کسانوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا۔ اور ہندوستان میں جہاں کہیں کسان بغاوت ہوئی انہوں نے اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔ (باقی آئندہ)

بقیہ: طلباء

فریب ہے اور عوام دشمن سازش ہے۔ ہم کسی ایسے متحدہ محاذ کو نہیں مانتے جس کی قیادت کسی جاگیردار یا سرمایہ دار کے پاس ہو۔ ہمارا اتحاد صرف مزدور اور کسان سے ہوسکتا ہے اس لئے این ایس ایف کے کارکنوں کو چاہیئے کہ وہ درس گاہوں سے نکل کر مزدوروں اور کسانوں سے رابطہ قائم کریں اور اپنے نعرے کو حقیقت کا روپ دیں۔"

جناب لطیف چوہدری کے بعد این ایس ایف سندھ کے صدر جناب زاہد حسین نے تقریر کی اور انہوں نے بتایا کہ آج این ایس ایف پورے مغربی پاکستان میں پھیل چکی ہے۔ مسٹر حسین بخاری، نجم الہدیٰ، این ایس ایف سٹی کراچی اور پلیرلونٹ کے انچارجوں نے بھی تقریریں کیں۔ اس کے بعد مسٹر نایاب نے تین قراردادیں پیش کیں جن میں ڈاکٹر رشید حسن خاں کی رہائی کا مطالبہ، شیخ الجامعہ ڈاکٹر اشتیاق حسین کی برطرفی، فیصول بی کی او. ایم اے اور ایم ایس سی میں سپلیمنٹری امتحانات کی بحالی کے مطالبات شامل تھے۔ اجلاس با تفاق رائے ان قراردادوں کو منظور کیا۔

ٹیلیویژن

ملکہ پکھراج کی بیٹی طاہرہ سید سے ٹی وی والے سوتیلی ماں کا سلوک کر رہے ہیں

ناظرین کا امتحان کب تک لیا جائے گا؟

ناظر

طاہرہ سید وہ آواز ہے جو دیکھی بھی جا سکتی ہے اور محسوس بھی کی جا سکتی ہے۔ وہ ایک ماہر فن گلوکارہ ملکہ پکھراج کی بیٹی ہے۔ جس نے شعلے کی لپک جیسی آواز۔ گلے کا سوز اور گانے کا سنبھلا ہوا انداز اپنی ماں سے ہی پایا ہے۔ لاہور ریڈیو سے وہ گاتی رہی ہے۔ اور دو ایک فلموں میں اس نے چند گانے بھی گائے ہیں۔ مگر کراچی والوں نے اسے پہلی مرتبہ گزشتہ سال ایکشن ۱۹۷۰ء کے پروگرام کے دوران دیکھا اور سنا اور حیران رہ گئے کہ اتنی کم عمری میں موسیقی پر اس قدر دسترس خداداد بات ہی ہو سکتی ہے۔ ناظرین یہ توقع کر رہے تھے کہ کسی روز آدھ پون گھنٹہ طاہرہ سید کے لئے وقف کر دیا جائے گا۔ مگر کراچی ٹی وی کے ارباب اختیار نے اس کی توہین اور کراچی کے دلدادگان موسیقی کی اس قدر تضحیک کی ہے کہ اب شاید طاہرہ کراچی ٹی وی ہاؤس میں تو کوئی گانا ریکارڈ کرائے گی نہیں۔

ٹی وی والوں نے وطیرہ یہ اختیار کر رکھا ہے کہ جب کبھی کوئی پروگرام وقت سے ذرا پہلے ختم ہو جاتا ہے اور ۹ بجے والی خبروں میں ذرا دیر ہوتی ہے تو "خالی جگہ پر کرنے" کے لئے طاہرہ سید کو گوا دیا جاتا ہے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ پورا گانا سننے کو نہیں ملتا۔ ادھورا ہی فیڈ آؤٹ کرا دیا جاتا ہے۔ طاہرہ کے ساتھ اس قسم کی بدسلوکی ۲۳ اپریل کو دوسری مرتبہ کی گئی۔ رعنا سید نے اعلان کیا کہ خبروں میں کچھ وقت باقی ہے۔ اس لئے اتنی دیر تک طاہرہ سید کو سنیئے۔ اور چشم زدن میں طاہرہ ناظرین کے سامنے تھی۔

گھر میں ہمارے آئی دلہن سکھی پھول برساؤ

پنجاب کے لوک گیت کی طرز ستی پر اس گیت کی موسیقی ترتیب دی گئی تھی اور طاہرہ ستی کے نال پر بڑے رکھ رکھاؤ کے ساتھ یہ گیت گا رہی تھی کہ تین منٹ کے اندر ہی اچانک گیت فیڈ آؤٹ کر دیا گیا۔ اور پھر اشتہارات دکھائے جانے لگے۔ خبروں کے وقت تک کوئی ایک درجن اشتہاروں کے بم ناظرین پر گرائے گئے۔ سوال یہ ہے کہ بغیر پیشگی ہدایتی کے طاہرہ کا پروگرام کیوں دکھایا گیا۔ اس طرح بہت سے باذوق ناظرین اس پروگرام سے محروم ہو گئے ہوں گے۔ اور اگر دکھایا جانا ضروری تھا تو اسے خبروں کے وقت تک کیوں نہیں دکھایا گیا۔ خبروں میں دیر تھی تو طاہرہ سید جیسی فن کارہ اور موسیقی سے دلچسپی رکھنے والے ناظرین کی توہین کرنے کے بجائے اشتہارات ہی کی بھرمار رہتی۔ جیسا کہ عام چلن ہے تو کوئی ٹی وی کے ذمہ داروں کا کیا بگاڑ لیتا۔

اتوار ۲۵ اپریل کو ڈراموں کے سلسلے "ارژنگ" میں حمید کاشمیری کا ڈرامہ "شاہزادۂ عظیم" دکھایا گیا۔ جسے کنور آفتاب نے پیش کیا تھا۔ حمید کاشمیری نے یہ ڈرامہ اپنی ایک مشہور کہانی سے تیار کیا تھا۔ ممکن ہے

مصنفین کو سہل انگاری کی ترغیب دی جا رہی ہے

یہ شرط ٹی وی حکام کی طرف سے عائد کی گئی ہو کہ طبع زاد نئے پلاٹ پر ڈرامہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اپنی ہی کسی تصنیف پر ڈرامے کی بنیاد رکھی جائے۔ کیونکہ ڈرامہ "ریت کی دیوار" بھی شوکت صدیقی نے اپنی ہی کہانی سے تیار کیا تھا۔ اور حسینہ معین کا ڈرامہ "نیا راستہ" بھی نیا نہیں تھا۔ ریڈیو کے ایک ڈرامہ آرٹسٹ نے ٹی وی پروڈیوسر سے حسینہ معین کے اس ڈرامہ کی تعریف کر دی تھی جو ریڈیو سے ہو چکا تھا۔ پروڈیوسر نے فوراً وہ ڈرامہ منگوا لیا۔ اور حسینہ معین سے اس ریڈیو ڈرامہ میں ٹی وی کی ضروریات کے مطابق ردوبدل کرا کے ارژنگ میں شامل کر لیا۔ اس کا مطلب ہے کہ ٹی وی والے مصنفین کو خود سہل انگاری کی ترغیب دے رہے ہیں۔

بہرحال، سکرپٹ اور پیشکش کے اعتبار سے حمید کاشمیری کے ڈرامے کو کامیاب کہا جا سکتا ہے۔ ہدایت کار کنور آفتاب نے کئی خوب صورت بچے اس ڈرامے میں دیئے ہیں۔ ڈرامے کا مرکزی کردار ذہین طاہرہ نے بڑی مہارت سے ادا کیا۔ ماجد علی نے اپنے کردار کو خوب سمجھا۔ اور اس پر کافی محنت کی تھی۔ آنکھیں رکھتے ہوئے نابینا بننا خاصا مشکل کام ہے۔ ایک آدھ سین میں تو اداکاری چل جاتی ہے مگر مسلسل اسے نبھانا محنت طلب کرتا ہے۔ ذرا بھی توجہ ہٹے تو سارا ملمع اتر جاتا ہے۔

لفظ کی تلاش

ذہنی آزمائش کے پروگرام "غالباً آپ" کے ذریعہ تین چار ہفتوں تک ناظرین کا صبر آزمایا جاتا رہا۔ مگر یہ "کسوٹی" کا نعم البدل ثابت نہیں ہو سکا۔ اس کے بارے میں اسی صفحہ پر لکھا جا چکا تھا کہ اسے بند کر دیا جاتے۔ خدا کا شکر ہے کہ "غالباً آپ" کی ناکامی کا احساس ٹی وی کے حکام کو جلد ہو گیا۔ اور اس کو ختم کر کے اس کی جگہ "ذہنی آزمائش" کا ایک اور پروگرام "لفظ کی تلاش" کے نام سے شروع کیا گیا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک سہ ماہی کے سارے پروگراموں کی منظوری پہلے راولپنڈی سے حاصل کی جاتی ہے اور پھر انہیں شیڈول کیا جاتا ہے

"لفظ کی تلاش" کے اچانک شروع ہونے سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یا تو پنڈی میں ٹی وی کارپوریشن والوں نے "غالباً آپ" کی تک اچھی طرح نہیں سمجھی تھی یا پھر "لفظ کی تلاش" منظوری حاصل کئے بغیر صرف مقامی جنرل منیجر کی اجازت ہی سے شروع کر دیا گیا۔ بہرکیف یہ پروگرام انتہائی بچگانہ اور "غالباً آپ" سے بھی زیادہ صبر آزما ہے۔ کالجوں کے طلباء اور طالبات کی ٹیموں کو ملا کر یہ پوچھنا کہ برصغیر پاک و ہند میں آنے والا پہلا یورپی حملہ آور کون تھا۔ اور ان بچوں کی جواب دینے میں ناکامی اور قریشی پور کی تنبیہ اور ڈانٹ پھٹکار، ان باتوں سے یہی تاثر پیدا ہوتا تھا کہ ناظرین کسی کلاس روم میں بیٹھے ہیں۔ اور قریشی پور طلبہ سے آموختہ سن رہے ہیں۔ اس پروگرام میں عبداللہ بیگ اور افتخار عارف کو شامل نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ پروگرام کو مکمل بنانے کے لئے قریشی پور کی مددگار کے طور پر رخسانہ امیر موجود تھیں۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ قریشی پور اگر ماسٹر تھے تو رخسانہ امیر مانیٹر۔ کئی دفعہ ایسا محسوس ہوا کہ قریشی پور کی گرفت سے پروگرام نکلا جا رہا ہے۔ کئی بار وہ کنفیوژڈ بھی نظر آئے۔ ایک ٹیم اپنی جگہ سے اٹھ کر آنے لگی تو قریشی پور صاحب نے اسے "ناٹ یو" کہہ کر ڈانٹ دیا۔ اس انداز کے پروگرام کو آپ بچگانہ نہیں تو اور کیا کہیں گے۔ ایسے پروگرام تو پہلے بھی ہوتے رہے ہیں۔

راولپنڈی، اسلام آباد ٹی وی اسٹیشن کا تیار کردہ پروگرام "وطن کے گیت" اس مرتبہ پھر پھیکا اور بے جان رہا۔ تین عورتوں اور تین مردوں نے مل کر اور الگ پشتو شاعروں کے گیت سنائے۔ جن کا ترجمہ اردو میں خاطر غزنوی نے کیا تھا۔ ان کی دھنیں بھی پشتو ٹپے اور سرحد کے لوک گیتوں کی تھیں۔ موسیقی کے اس پروگرام کے لئے ۲۸ منٹ بالکل رائیگاں گئے۔ سوائے اس کے کہ امیر حمزہ شنواری کے گیت کا ترجمہ خاطر غزنوی نے بہت اچھا کیا تھا۔

لاہور کے پروگرام "گرداب" میں جمیلہ شاہین کے لکھے ہوئے ڈرامے "لیل و ماہ" کی دوسری قسط ۲۷ اپریل کو مکمل ہوئی۔ اور ماہر نفسیات راوی کی نیریشن اور ریڈیو تکنیک کے سہارے چلنے والا یہ ڈرامہ جسے THREE FACES OF EVE سے اخذ کیا گیا تھا ختم

ہوگیا۔ دوہری شخصیت "ماہ رخ اور لیلیٰ" کا کردار پروین ملک نے خاصی محنت سے ادا کیا۔ لیکن ڈرامے کے اسکرپٹ میں جھول ہونے کی وجہ سے پروین ملک کچھ گھٹی گھٹی سی رہی۔ اس نے بٹی ہوئی شخصیت کے کردار کو سمجھ تو لیا مگر دوسرے کرداروں کا ساتھ نہ ہونے کے باعث اس کی اداکاری میں فنی پختگی نظر نہ آسکی۔ نور احمد راولپنڈی ریڈیو کا بہت تجربہ کار اور پرانا ڈرامہ آرٹسٹ ہے۔ ڈاکٹر کا سپاٹ کردار اس کے لئے ذرا بھی موزوں نہیں تھا۔ اسکرین کے پیچھے ریڈیو کی طرح اس سے مینجر کے راوی کے مکالمے ادا کرانا اس کے ساتھ بڑی زیادتی تھی۔ مجموعی طور پر "لیل و ماہ" کی دونوں قسطیں ناکام رہیں۔

الفریڈ ہچکاک کی فلموں کا ایک نیا اور اچھا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ ۲۷ اپریل کو ہالی وڈ میں تیار کردہ ہچکاک کی پہلی فلم "کیپٹو آڈینس" دکھائی گئی۔ جو ہمارے کئی پروگراموں سے بدرجہا بہتر تھی لیکن اسے ہچکاک کے تجربہ زا اچھے ڈراموں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

۲۹ اپریل کو تبصرے کے پروگرام میں پہلی دفعہ تبدیلی دیکھنے میں آئی۔ اس روز یونس ایم سعید نے کالعدم عوامی لیگ کے رویہ اور پیپلز پارٹی کی اکثریتی حیثیت کے بارے میں تبصرہ کیا۔ جو ٹیلی وژن کے لئے نیا معلوم ہوا کہ پارٹی پالیٹکس پر تبصرہ ٹی وی کے لئے شجر ممنوعہ سمجھا جاتا ہے۔ یونس سعید کو پہلی مرتبہ تبصرے کے لئے مدعو کیا گیا۔ ورنہ چند مخصوص لوگوں ہی کو تبصرہ کی اجارہ داری حاصل ہے۔ انہیں سنتے سنتے اور دیکھتے دیکھتے لوگ تھک گئے ہیں۔

"باتوں کے بھوت" کے سلسلے میں اشفاق درانی کا لکھا ہوا خاکہ "میرے منگیتر" بھی اس سیریز کے دوسرے ڈراموں کی طرح بور ثابت ہوا۔ لاہور ٹیلی وژن اسٹیشن کے ان پروگراموں کے بارے میں پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ اس قسم کے خاکے پیش کرنے سے کوئی فائدہ نہیں جنہیں دیکھ کر ہنسنے کے بجائے رونا آتا ہے "میرے منگیتر" میں کرداروں کی بھرمار تھی۔ ۱۵ منٹ کے پروگرام کے لئے زیادہ کرداروں کی گنجائش ہی نہیں ہوتی مگر مصنف نے پورے ۹ کرداروں پر یہ خاکہ لکھا تھا جن میں فرخ جمال بھی شامل تھی۔ مگر خاکہ کی ہیروئن ہونے کے باوجود اس کے حصے میں ایک مکالمہ بھی نہ آیا۔ اور نہ اداکاری کا موقع ملا۔

ہنزہ سے چاٹگام تک

سوات کے طلباء کے مسائل کب حل ہوں گے؟

نمائندۂ الفتح

سوات پاکستان کا پسماندہ ترین علاقہ ہے۔ مطلق العنان اور آمر دور حکومت میں یہاں جس قدر مسائل تھے، ان سے کہیں زیادہ اب ہوگئے ہیں۔ کوئی دردمند شخص ان کے حل کرنے میں دلچسپی نہیں لے رہا ہے۔ خاص طور پر سرکاری ملازمین چشم پوشی سے کام لے رہے ہیں۔

عوام کے ساتھ طلباء بھی بہت پریشان ہیں ان کے مسائل بھی روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔ جہاں زیب کالج سیدو شریف کی جانب سے حکومت کی خدمت میں چند مطالبات پیش کئے گئے تھے مگر ابھی تک کسی قسم کی یقین دہانی نہیں کرائی گئی۔ گذشتہ مہینے انہی مطالبات کی وجہ سے طلبا اور انتظامیہ کے درمیان کچھ ناخوشگوار واقعات رونما ہوئے تھے۔ حالانکہ طلباء نے بڑے نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا۔ اور اس بات کی پوری کوشش کی گئی تھی کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ جنم نہ لے۔

سوات کے طلبہ کے چند مطالبات پیش خدمت ہیں:۔

۱۔ امتحانات کی تاریخ میں توسیع کی جائے۔
۲۔ طلباء کے کھیل کود کے لئے گراؤنڈ بنایا جائے۔
۳۔ منگورہ ہوسٹل کے کمروں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔
۴۔ کالج کے طلباء کے لئے ٹرانسپورٹ کا انتظام کیا جائے۔
۵۔ کالج کے کمروں میں پنکھے لگائے جائیں۔ کیونکہ گرمیوں میں ان کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔
۶۔ "تمتر" اور "ڈگر" کے کالجوں کی عمارات مکمل ہو چکی ہیں ان میں تعلیم شروع کی جائے۔
۷۔ ان طلباء کو وظائف دیئے جائیں جو میڈیکل اور انجینئرنگ کی تعلیم کے لئے سوات سے باہر جاتے ہیں۔
۸۔ لڑکیوں کے لئے گرلز کالج تعمیر کیا جائے۔
۹۔ کالج میں انگریزی، معاشیات، طبیعات اور سیاسیات میں ایم اے کی کلاسیں شروع کی جائیں۔
۱۰۔ کالج کے کانووکیشن ہال "وودوبہ ہال" کو ساؤنڈ پروف کیا جائے۔
۱۱۔ میڈیکل اور انجینئرنگ کے لئے نشستیں مقرر کی جائیں۔
۱۲۔ گرفتار طلباء کو رہا کیا جائے۔

طلباء کے یہ مطالبات معمولی نوعیت کے ہیں۔ انہیں قبول کر کے طلباء کی بے چینی اور بے اطمینانی فوری طور پر ختم کی جا سکتی ہے۔

تربیلا ڈیم میں غیر ملکی کمپنی کی دھاندلی سے لاکھوں روپے کا نقصان

تربیلا ڈیم میں کام کرنے والی غیر ملکی کمپنی کی سینکڑوں گاڑیاں رجسٹریشن کے بغیر چل رہی ہیں۔ جس سے گورنمنٹ کو لاکھوں روپے کا نقصان ہو رہا ہے۔ اور ایک ایسی غیر ملکی کمپنی کو فائدہ پہنچ رہا ہے جو اس طرح بچائے ہوئے سرمایہ کا ایک روپیہ بھی پاکستان میں چھوڑ کر نہیں جائے گی۔ یہ سب کچھ ضلع ہزارہ کی انتظامیہ واپڈا کی مقامی انتظامیہ اور کمپنی کے بڑے بڑے افسران کی ملی بھگت سے ہو رہا ہے۔ کمپنی نے گاڑیاں رجسٹرڈ نہ کرانے کی تُک یہ نکالی ہے کہ گاڑیاں چونکہ ورکنگ ایریا میں چلتی ہیں اس لئے انہیں رجسٹرڈ کرانے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ راقم الحروف منگلا ڈیم میں بجلی کا کام کر چکا ہے اور وہاں کمپنی کو اس قسم کی کوئی رعایت نہ تھی۔ کبھی کبھار ٹریفک پولیس کا عملہ (BY PASS) روڈ کی طرف آ جاتا ہے اور کمپنی کی گاڑیوں کا چالان بھی کرتا ہے لیکن کمپنی نے باقاعدہ عملہ بھرتی کر رکھا ہے۔ جو کچھ نہ کچھ دے دلا کر چالان منسوخ کرا دیتا ہے۔ اور اگر کسی نہ کسی طریقہ سے چالان عدالت تک پہنچ جاتا ہے تو معمولی جرمانہ کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے دوسری طرف ایک کنسلٹنٹ فرم (TAMS) کے تمام اخراجات واپڈا ادا کرتا ہے۔ جو کمپنی کاموں کی چیکنگ کرتی ہے۔ اس فرم کے پاس بھی کمپنی کی تقریباً دو سو گاڑیاں ہیں۔ جن کا سو روپے روزانہ کے حساب سے واپڈا کرایہ ادا کرتا ہے۔ اس طرح سے ڈیم مکمل ہونے تک غیر ملکی کمپنی گاڑیوں کی قیمت کا بیس گنا زرِ مبادلہ اٹلی اور فرانس لے جائے گی۔ حالانکہ اس سے بہت کم سرمایہ سے واپڈا اپنی گاڑیاں خرید سکتا تھا۔ جو ڈیم کی تکمیل کے بعد بھی ہمارے کام آ سکتی تھیں۔

سرحدی گاؤں بڑیلہ شریف میں ایک بھی اسکول نہیں ہے

ستمبر کی جنگ میں سرحدی گاؤں بڑیلہ شریف بھارتی توسیع پسندوں کے مقابلے میں سیسہ پلائی دیوار ثابت ہو چکا ہے۔ یہاں کے باشندوں نے آزمائش کی گھڑی میں اپنی بے مثال قربانیوں سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ وطن کی سلامتی اور بقا کی خاطر تن من دھن اپنا سب کچھ لٹا دیتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس علاقے کے مسائل کو مسلسل نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ نوکر شاہی ہمیشہ اس علاقے کی معاشی اور سماجی ترقی کے راستے میں رکاوٹ بنی رہی ہے۔ اتنی بڑی آبادی کے لئے صرف ایک پرائمری اسکول ہے۔ آبادی سے کئی میل دور ایک ہائی اسکول ٹانڈہ ہے بعض دور دراز کے طلبہ سات سات میل کا فاصلہ طے کر کے حصول تعلیم کے لئے یہاں پہنچتے ہیں اس اسکول میں زیر تعلیم طلبہ جون جولائی کی تپتی دھوپ گرمی، دسمبر اور جنوری کی کڑاکے کی سردی میں پیدل سفر کرتے ہیں۔ کیونکہ اس علاقے میں ٹرانسپورٹ کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ یہاں اسپتال یا ڈسپنسری بھی نہیں ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہاں کے باشندوں کی زندگی مشکلات اور پریشانیوں کا مجموعہ بن گئی ہے۔ گاؤں کی قیادت ہمیشہ ایسے مفاد پرستوں کے ہاتھ میں رہی جنہیں عوام کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ علاقہ ہر لحاظ سے پسماندہ ہے۔



قارئین کہتے ہیں

جامعہ کراچی کے چھ + ا نکات

جونہی شعبہ تادیب کا نیا سات نکاتی فارمولا شائع ہوا جامعہ کے طلباء یہ کہتے ہوئے سنے گئے۔ ؎

بات کرنی ہمیں مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی

جامعہ کا یہ شعبہ بھی اپنی قسم کا واحد شعبہ ہے جس کے سربراہ فوج کے ایک ریٹائرڈ میجر صاحب ہیں۔ میجر صاحب اپنی ناجائز سختیوں کی وجہ سے جامعہ میں خاصے مشہور ہیں۔ جامعہ کے طلباء کو اس قسم کے کالے قوانین کے خلاف آواز بھی بلند کی اور اس کا خاطر خواہ نتیجہ بھی برآمد ہوا کہ گزشتہ سال جامعہ کا یہ بدنام زمانہ شعبہ تقریباً ناکارہ ہو گیا تھا۔

جامعہ میں داخلہ لیتے وقت ہر طالب علم کا اس شعبہ سے واسطہ پڑتا ہے۔ جب اسے فارم کے ساتھ دو کارڈ شعبہ تادیب کے بھی بھرنے پڑتے ہیں۔ اور شعبۂ تادیب کی اجازت کے بعد ہی طالب علم کو داخلہ ملتا ہے۔ اس صورت میں جامعہ میں گزشتہ کئی سالوں سے ایسے طالبعلموں کے داخلے روکے جا رہے ہیں جو ایک خاص مکتب فکر سے تعلق نہیں رکھتے اس کی واضح مثال عوامی رہنما معراج محمد خان اور دوسرے کئی طلباء ہیں جن پر جامعہ کے دروازے بند کر دیئے گئے

اس شعبہ کا ایک اور کارنامہ C.I.D. کو طلباء کے پتے فراہم کرنا ہے۔ اس کا ثبوت ۶۸-۱۹۶۹ء کی عوامی تحریک ہے۔ جب کراچی کے جیالے طلباء نے اپنے حقوق کی جدوجہد کے لئے سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ جب طلباء ظلم کے خلاف آواز بلند کر رہے تھے۔ اس وقت جامعہ کا یہ شعبۂ تادیب انتظامیہ سے گٹھ جوڑ کر کے طلباء کے خلاف سازشیں کر رہا تھا۔ C.I.D. کو طالب علم رہنماؤں کے پتے فراہم کر رہا تھا۔ ثبوت کے طور پر چند نام حاضر خدمت ہیں۔ اس شعبۂ تادیب نے شہر یار مرزا۔ شیر عزیز مسعودی، طارق فتح، کے پتے سی آئی ڈی کو فراہم کئے تھے۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی شعبۂ تادیب کے سات نکاتی فارمولے کی۔ اس سات نکاتی فارمولے کا ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ کوئی لڑکا کسی لڑکی سے یا کوئی لڑکی کسی لڑکے سے کلاس کے اندر یا کلاس کے باہر بات نہیں کر سکتی۔ اس سے پہلے بھی حکم نامہ کچھ اس طرح سے تھا کہ لڑکی لڑکا بات تو کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کے درمیان ۳ فٹ کا فاصلہ ہونا چاہیئے۔ لیکن اس سال اس میں تبدیلی کر دی گئی۔

سننے میں آیا ہے کہ شعبۂ تادیب سے یہ حرکت بوکھلاہٹ میں ہو گئی۔ راوی اس کی وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس سال چونکہ جامعہ کی طالبات کی ایک کثیر تعداد نے انتظامیہ کی من پسند جماعت پر عدم اعتماد کا اظہار کر دیا ہے۔ چنانچہ آئندہ سال کی تیاری کے لئے اور حفظ ماتقدم کے اصول کے تحت اس حکم نامہ کو فوری طور پر نافذ کیا گیا ہے۔

ایک آخری بات ضرور گذارش کرنا چاہتا ہوں۔ جس طرح عوامی لیگ کو چھ نکات جھنگے پڑے ہیں کہیں یہ نکات شعبۂ تادیب کی رسوائی کا سامان نہ بن جائیں۔

(ایک طالب علم)

یہ وطن پر مٹنے والوں کا دیس ہے

بھارت کا حکمران طبقہ پاکستان کا ازلی دشمن ہے۔ جب سے پاکستان بنا ہے بھارتی توسیع پسندوں کی یہی کوشش رہی ہے کہ پاکستان کو دنیا کے نقشے سے مٹا دیا جائے۔ اور وہ اپنے اس گھناؤنے، مذموم اور ذلیل ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے پاکستان پر کئی بار حملے کر چکے ہیں۔ لیکن ہر بار انہیں منہ کی کھانی پڑی ہے۔ بھارت کے لیٹرے طبقے نے حال ہی میں پاکستان کی سالمیت کے خلاف ایک گھناؤنی سازش کی تھی۔ جسے مشرقی پاکستان کے محب الوطن عوام اور پاکستان کی مسلح افواج نے ناکام بنا دیا ہے۔

پاکستان سامراج دشمنوں اور وطن دوستوں کا ملک ہے۔ پاکستان کو ختم کرنے کی سازش میں کوئی کامیاب نہ ہوگا۔ خود مٹ جائے گا ہم بنگالی، پنجابی، سندھی، بلوچ اور پٹھان ایک ہیں۔ اور انشاءاللہ ایک رہیں گے۔ ہم بھائی بھائی ہیں۔ ہم پاکستانی سامراج دشمن ہیں۔ اور سامراجیوں سے نفرت کرتے ہیں ہم سامراج دشمنوں کے دوست اور سامراج اور اس کے حواریوں کے دشمن ہیں۔ پاکستان ہمارا عظیم وطن سامراجیوں کا قبرستان بنے گا۔ ہم بھارتی مداخلت کاروں کا صفایا کر دیں گے۔ امریکی سامراج، بھارتی لیٹرو، خبردار! یہ دیس جری بہادر، حب الوطنوں کا دیس ہے۔

احمد نواز ڈیرہ غازی خاں

ملکہ کی سالگرہ کیوں ملتوی کی گئی؟

کراچی میں برطانوی کمشن کی جانب سے ۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء کے دن ملکہ کی سالگرہ کی تقریب کے سلسلے میں دعوت نامے جاری کئے گئے تھے۔ مگر دعوت کے اجرا کے فوراً بعد اس تقریب کو مشرقی پاکستان کی صورت حال کا بہانہ بنا کر منسوخ کر دیا گیا۔

کیا برطانوی مشن کو مشرقی پاکستان کی صورتحال کا علم پہلے سے نہ تھا۔ اور کیا اسے یہ بات معلوم نہ تھی کہ پاکستان کی مسلح افواج بھارتی مداخلت کاروں کا صفایا کر رہی ہے؟ پہلے دعوت نامے بھیجے گئے تھے پھر انہیں منسوخ کر دیا گیا۔ اور تقریب کی منسوخی کی وجہ مشرقی پاکستان کی موجودہ صورت حال بتائی گئی۔ جو پاکستان کے اندرونی معاملات میں کھلی مداخلت ہے۔ اس احمقانہ کوشش کو بھارتی پروپیگنڈے کا ایک حصہ ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

کیا ویت نام، کمبوڈیا اور لاؤس میں برطانوی مشن موجود نہیں ہے۔ وہاں ایسے حالات موجود ہیں کہ ملکہ کی سالگرہ کی تقریبات منسوخ کر دی جاتیں۔ لیکن ان ملکوں میں یہ تقریب اس لئے منسوخ نہ کی گئی کہ سیکسن فوجی دستے مقامی لوگوں کو قتل کر رہے ہیں۔ برطانوی مشن کے نزدیک یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ البتہ مشرقی پاکستان ان کے لئے ایک سنگین مسئلہ بن گیا ہے جہاں پاکستانی فوج ملک کی بقا اور سلامتی کے لئے بھارتی مداخلت کاروں سے نمٹ رہی ہے

پاکستان پیپلز پارٹی
مرکزی سیکرٹریٹ کراچی

آیئے ہم سب مل کر سامراج کا پھندہ توڑ دیں

ہفت روزہ الفتح پابندی سے مطالعہ کرتا ہوں۔ مشکور ہوں کہ آپ ہر ہفتہ ان حقیقتوں سے روشناس کراتے ہیں جس کی روشنی میں ظلم و مظلوم کا رشتہ سمجھ میں آتا ہے۔ لوٹنے اور لٹنے والے کے درمیان واضح فرق محسوس ہوتا ہے اور پھر اس گھناؤنے کھیل کی خطرناک چالیں نظر آتی ہیں۔ جو امریکی سامراج، اس کے حواری اور ایجنٹ ۲۳ سال سے اس ملک کو تباہ و برباد کرنے کے لئے چل رہے ہیں۔

امریکی سامراج اور اس کے حواری اجارہ دار سرمایہ دار اور جاگیردار، غریبوں اور محنت کشوں کا خون چوس رہے ہیں۔ غریب مظلوم اور لٹے ہوئے عوام اپنے حقوق کی بات نہیں کر سکتے۔ حقوق کی بات کرنے والے ملازمتوں سے علیحٰدہ

کر دیئے جاتے ہیں - در بدر کئے جاتے ہیں سرمایہ دار اور صنعت کار اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر جیت جاتے ہیں۔ اور محنت کرنے والے پس دیوار زنداں دھکیل دیئے جاتے ہیں۔ غریب، مظلوم، اور محنت کش عوام کے ساتھ یہ بے انصافی اس وقت تک ہوتی رہے گی - جب تک ہمارے گلے میں سامراج کا پھندہ پڑا رہے گا۔ جس دن ہم نے یہ پھندا توڑ دیا، اس دن حقیقی آزادی، اور خوشحالی ہمارے قدم چومے گی۔

بہت کم وسائل کے ساتھ آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ بہت زیادہ ہے۔

عارف علی صدیقی۔ کراچی

بقیہ: مزدور عظیم ہے خدایا

کی برطرفیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ یونین کے نائب صدر محمد یاسین کے علاوہ بے شمار کارکنوں کو بھی الگ کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ تنخواہ دار غنڈوں کے ذریعہ فیکٹری میں خوف و ہراس پھیلایا گیا۔ اور کام کرنے والی خواتین کو اغوا کرنے کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔

یونین نے ہیڈ ڈیپارٹمنٹ مارشل لاء حکام اور صدر مملکت کو تحریری اطلاع دی اور بار بار اپیل کی گئی کہ فیکٹری کے ملازمین اور انتظامیہ کے درمیان فوری طور پر ایک ایسا سمجھوتہ طے پایا جائے جو دونوں فریقین کے لئے قابل قبول ہو۔ ۶ مئی ۱۹۷۰ء کو صدر مملکت کی جانب سے جواب موصول ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ "ہمارا معاملہ چیف سیکرٹری، مغربی پاکستان کے حوالے کر دیا گیا"۔ اسی تاریخ کو مارشل لاء حکام نے بھی اطلاع دی کہ "یونین اور فیکٹری کا معاملہ چیف سیکرٹری مغربی پاکستان کو بھیج دیا گیا ہے"۔ ۶ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو کمشنر کراچی کی جانب سے جواب موصول ہوا کہ "ہمارا معاملہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حوالے کر دیا گیا ہے"۔ ۱۳ ستمبر کو گورنر سندھ کے افسر تعلقات عامہ نے سیکرٹری حکومت سندھ سے رجوع ہونے کی ہدایت دی۔ لیکن ان ساری کارروائیوں کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ معاملہ جہاں پہلے تھا وہیں رہا۔ ایک انچ آگے نہ بڑھا۔ فیکٹری کے مالکان اور انتظامیہ کے تنخواہ دار چمچے اور غنڈے فیکٹری میں کہتے پھریں "فیکٹری کے حالات اس وقت بدلیں گے جب مزدور فیکٹری کے مالک ہوں گے۔ ابھی تو مزدوروں کو مالکان کی مرضی پر چلنا ہوگا"۔

محنت کشوں کے ساتھ یہ ساری بے انصافیاں الکیلی فیکٹری میں کی جا رہی ہیں جس کی بنیاد میں ملازمین کا خون اور پسینہ شامل ہے۔ شاید اس فیکٹری میں محنت کشوں کی حق تلفی کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے جب تک مزدور کو آجر کے برابر درجہ نہیں دیا جاتا۔ اور انکے حقوق کے تحفظ کی ٹھوس ضمانت نہیں دی جاتی۔

بقیہ: چین دشمن

اور یہ قائم بھی رہ سکتا ہے تو اسلام کے ذریعے سے، سوشلزم کے ذریعے سے نہیں رہ سکتا۔ سوشلزم آئے گا تو آپ کا دین و ایمان بھی جائے گا۔ اور اس ملک کے ٹکڑے بھی ہو جائیں گے۔ آپ خود سوچیں کہ آخر اس کی کیا معقول وجہ ہو سکتی ہے۔ کہ سوشلسٹ بنگال، سوشلسٹ مغربی پاکستان کے ساتھ مل کر رہے۔ جبکہ اس کے قریب سوشلسٹ مغربی بنگال موجود ہو۔ سوشلسٹ برما موجود ہو اور سوشلسٹ چین موجود ہو۔"

"زندگی" ۹ نومبر ۱۹۷۰ء

یہ چند احسان فراموشوں کے چین کے متعلق حقیقی جذبات اور ارادے تھے۔ آ حالات نے انہیں منہ کی کھانے پر مجبور کر دیا۔ لیکن ان بزرگوں کے اصل مقاصد اور چین کے متعلق حقیقی نظریات یہی ہیں۔ چین دشمنی کی وجہ صرف اور صرف پاکستان دشمنی ہے۔ کیوں کہ اس وقت بڑی طاقتوں میں سے صرف چین پاکستان کی یکجہتی اتحاد اور سلامتی کا ضامن ثابت ہوا۔ اور عملی طور پر اس نے ظاہر کر دیا کہ وہ ہر مشکل میں پاکستان کا ساتھ دے گا۔ ان دنوں بھی اندرون خانہ یہ طاقتیں چین کے خلاف نفرت پھیلانے میں مصروف ہیں مغربی بنگال کے نکسل پارٹیوں اور مشرقی پاکستان کے سوشلسٹوں پر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے الزامات عاید کر کے بالواسطہ طور پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ چین بھی پاکستان کی تقسیم چاہتا ہے۔ کیونکہ ان عوامی تنظیموں کے ساتھ چین نواز کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ چین مغربی بنگال کی نکسل پارٹی تحریک کی حمایت کرتا ہے اور مغربی بنگال نکسل پارٹی تحریک کی حمایت مشرقی پاکستان کے بائیں بازو سے وابستہ افراد بھی کرتے ہیں۔ اس وقت جماعت اسلامی کا سارا پریس مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی تحریک کو سوشلسٹوں کے سر ڈالنے کے لئے دور دور کی کوڑی لا رہا ہے۔ یوں صورتحال کو گڈمڈ کر کے اصل پاکستان دشمنوں پر نقاب ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ہم کسی آئندہ اشاعت میں جماعت اسلامی کے باقاعدہ آرگن "ایشیا" سے بھی چین کے خلاف نفرت پھیلانے کی مسلسل مہم کی جھلکیاں عوام کے سامنے لائیں گے۔

بقیہ: شنگھائی کی عورتیں

گئی تھیں کہ وہ مر ہی گیا۔ آزادی کے بعد میں نے اُس کے برش اور کتابیں سنبھالیں اور جتنے الفاظ اور علامتیں میرے بھائی نے سیکھی تھیں اُتنی ہی میں نے بھی سیکھ لیں۔ مجھ پر عوام کی خدمت کا جنون سوار تھا۔

پہلی عورت: (ترجمان سے) اپنے دوست سے پوچھو، کیا وہ ہم سے اور گانا سننا چاہتا ہے۔ ہم اُسے گانا سنا کر خوش ہوں گی۔

(وان پہلے گھڑی پر نظر ڈالتا ہے اور پھر حاضرین کی طرف دیکھتا ہے)

وان: ایسا لگتا ہے جیسے ہم ٹرین میں بیٹھے ہوں۔ آپ اُن کے یہ بیہودہ لاؤڈ اسپیکر بند نہیں کرا سکتے۔

(پھر عورتوں سے مخاطب ہو کر) جی ہاں۔ بہت بہت شکریہ۔ آپ اور گانا سنائیے۔

(عورتیں پھر گانے لگتی ہیں)

(وان تالیاں بجاتا ہے اور عورتیں بھی جواب میں تالیاں بجاتی ہیں)

پہلی عورت: ایسا معلوم ہوتا ہے، ہمارے دوست ہمارا گانا سُن کر بہت محظوظ ہوئے۔ اب آپ کا کیا خیال ہے، کیا وہ کوئی اور گانا سننا چاہتے ہیں؟ ہم نے نئے اسکول کے بارے میں ایک گیت سیکھا ہے۔

ترجمان: معاف کیجئے گا۔ وہ اب کچھ تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

چھٹی عورت: ہاں ان ملکوں کے لوگ جلدی تھک جاتے ہیں۔

ترجمان: پورے ہفتے اُن پر تھکن طاری رہی۔ چند روز ہوئے ایک رات کو بیچ ہی میں اُٹھ آئے تھے، حالانکہ وہ اس میں مہمانِ خصوصی تھے۔

پانچویں عورت: یہ تو بدتمیزی کی بات ہے۔

پہلی عورت: غنیمت ہے کہ وہ ہماری زبان نہیں سمجھتا۔ ہمیں آپ سے بڑی شرمندگی ہوتی۔

وان: کیا کہہ رہی ہیں یہ؟ (ذرا اضطراب کے ساتھ) کیا انہیں معلوم نہیں، میں کون ہوں؟

ترجمان: آپ فکر نہ کریں۔ وہ آپ کو ایک عام سیاح سمجھ رہی ہیں۔

عورتیں اُسے کرسی پیش کرتی ہیں۔ وہ اس میں دھنس جاتا ہے اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگتا ہے۔ عورتیں چھوٹی کرسیوں پر بیٹھ جاتی ہیں۔ ایک عورت وان اور ترجمان کو چائے پیش کرتی ہے

باقی آئندہ

مئی ۱۹۷۰ء سے مئی ۱۹۷۱ء

ہفت روزہ الفتح کا پہلا سال بھی ہے اور پاکستان کی تاریخ کا اہم سال بھی ہے

• انتخابی ہنگامے • عوامی جدوجہد • انتخابات میں اسلام پسندوں کی شکست • مجیب، بھٹو، یحییٰ مذاکرات
• بھارتی امریکی اور روسی سازشں کی ناکامی ——— ان واقعات کے ہر پہلو پر

ہفت روزہ الفتح کراچی

ایک شاندار

سالنامہ

پیش کر رہا ہے



بھارت کے خفیہ عزائم کے بارے میں ذوالفقار علی بھٹو
چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی کا اہم خصوصی اور مفصّل مضمون

لکھنے والے

احمد ندیم قاسمی صفدر میر ابراہیم جلیس شوکت صدیقی ابن انشا جمیل الدّین عالی عبدالحمید عدمؔ قتیل شفائی
مولانا کوثر نیازی خارغ بخاری ہاجرہ مسرور ظفراللہ پوشنی ایم کے جنجوعہ اقبال مہر خدیجہ مستور
حسن عابدی ایم جے زاہدی منہاج برنا افضل صدّیقی زین الدین خاں لودھی معراج محمد خاں طارق عزیز علی احمد
عابد زبیری انور سجّاد اور بہت سے دوسرے حضرات

ضخامت : معمول سے زیادہ قیمت :- ایک روپیہ سرورق : سات رنگوں میں

ایجنٹ حضرات مطلوبہ تعداد سے مئی کے آخر تک مطلع کر دیں

مشتہر حضرات مئی کے آخر تک جگہ محفوظ کر والیں

جنرل مینیجر ہفت روزہ الفتح - ۲۰ - ڈی - کمرشل ایریا - پی - ای - سی - ایچ - ایس - نرسری - کراچی

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
6-13 MAY, 1971



پاکستانیوں سے بہتر امیدیں —
اور جامعہ سے بہترین توقعات —

جامعہ

پیٹرولیم کی صنعت میں
اوّلین پاکستانی ادارہ


جملہ صنعتی ضروریات کے لئے خصوصی پیٹرولیم
لُبریکینٹس بنانے والا سب سے بڑا ادارہ۔


افواجِ پاکستان کو لُبریکینٹس اور گریس کے
سب سے بڑے سپلائر۔


ڈائریکٹوریٹ آف انوسٹمنٹ پروموشن اور
سپلائز کی پیٹرولیم لُبریکینٹس اور گریس کی جملہ
ضروریات کے سب سے بڑے سپلائر۔